إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔ عَسٰٓى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

تار کا پتہ الفضل قادیان

الفضل قادیان

اللہ اکبر

ایڈیٹر: غلام نبی

The ALFAZL QADIAN.

خطبہ جمعہ ... اعلان کردہ سکیم ... از صفحہ ۲ تا صفحہ ۱۲

قیمت سالانہ پیشگی اندرون ہندوستان ... فی پرچہ ۱

قیمت سالانہ پیشگی بیرون ہندوستان ۱۳

نمبر ۶۳	مورخہ ۱۴ شعبان ۱۳۵۳ھ	یوم پنجشنبہ	مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۳۴ء	جلد ۲۲

Digitized by Khilafat Library Rabwah

LAHORE

مدینۃ المسیح

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے متعلق ۲۰۔ نومبر بعد دوپہر کی ڈاکٹری رپورٹ مظہر ہے۔ کہ حضور کی کھانسی کی تکلیف میں اب خدا تعالےٰ کے فضل سے کمی اور عام صحت اچھی ہے۔ فالحمدللّٰہ علیٰ ذالک

حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ جناب میر محمد اسمٰعیل صاحب کی چھوٹی اہلیہ صاحبہ کی صحت کے لئے درد دل سے دعا کیجائے۔

۱۹۔ نومبر بعد نماز عصر جامعہ احمدیہ کے ہوسٹل کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے افتتاح فرمایا۔ "جامعہ" کی طرف سے ٹی پارٹی دیگئی پرنسپل صاحب کی طرف سے جناب میر محمد اسحاق صاحب نے ایڈریس پڑھا جس کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ نے مختصر تقریر فرمائی۔ اور پھر اپنے ہاتھ سے مکان کے دروازے کھولے۔

۱۵۔ نومبر بذریعہ تار اطلاع موصول ہوئی۔ کہ شیخ مبارک احمد صاحب مبلغ نیروبی بمبئی سے جہاز پر سوار ہوگئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی آواز پر لبیک کہنے والی سب سے پہلی جماعت احمدیہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کے ۹ ر نومبر کے خطبہ جمعہ کا جو حصہ ۱۸ ر نومبر کے "الفضل" میں شائع ہوا ہے۔ اس میں حضور نے اپنی جماعت سے تین مطالبات کئے ہیں (۱) یہ کہ "ہر وہ شخص جس کے چندوں میں کوئی نہ کوئی بقایا ہے۔ یا ہر وہ جماعت جس کے چندوں میں بقائے ہیں وہ فوراً اپنے اپنے بقائے پورے کرے۔ اور آئندہ کے لئے چندوں کی ادائگی میں باقاعدگی کا نمونہ دکھلائے۔" (۲) یہ کہ "ہفتہ کے اندر اندر ہر وہ شخص جس کی کسی سے لڑائی ہو چکی ہے۔ ہر وہ شخص جس کی کسی سے بول چال بند ہے۔ وہ جائے۔ اور اپنے بھائی سے معافی مانگ کر صلح کرے" (۳) یہ کہ "جلد سے جلد ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ جو سلسلہ کے لئے اپنے وطن چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ اپنی جانوں کو خطرات میں ڈالنے کے لئے تیار ہوں۔ اور بھوکے پیاسے رہ کر بغیر تنخواہوں کے اپنے نفس کو تمام تکالیف سے گزارنے پر آمادہ ہوں۔"

آخری مطالبہ کے متعلق حضور نے سرکاری ملازموں، تاجروں، طالب علموں اور سلسلہ کی خدمات سرانجام دینے والوں۔ زراعت کا کام کرنے والوں یا دوسرے پیشہ وروں کو مستثنےٰ کرتے ہوئے فرمایا۔ "میں صرف ان نوجوانوں کو آواز دیتا ہوں۔ جن کو ابھی تک نوکریاں نہیں ملیں"

اس خطبہ کے شائع ہونے پر سب سے پہلی جماعت جس نے حضور کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے باہمی صلح کی۔ اور چندوں کے بقایا کو صاف کرنے کا عہد کیا۔ وہ لاہور چھاؤنی کی جماعت ہے۔ اس بارہ میں قادیان کی جماعت بھی اس سے پیچھے رہ گئی ہے۔ حالانکہ اسے دوسری جماعتوں کی نسبت ایک ہفتہ زائد وقت مل گیا تھا۔ جماعت احمدیہ چھاؤنی لاہور کے ہر ایک ممبر نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ کی خدمت میں فرداً فرداً حسب ذیل مضمون کی درخواست پیش کی ہے:۔

"حضور کے ۹ ر نومبر کے خطبہ جمعہ کی تعمیل میں خاکسار اپنے تئیں ہر ایک قسم کی قربانی کے لئے پیش کرتا ہوا ملتمس ہے۔ کہ ۱۔ خاکسار کے ذمہ چندہ کا کوئی بقایا نہیں۔ اور آئندہ بھی انشاء اللہ العزیز ماہ بماہ باقاعدہ چندہ ادا کرتا رہیگا۔ اپنے ذمہ چندہ کا بقایا نہیں ہونے دیگا۔ ۲۔ خاکسار کے دل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الفضل
Digitized by Khilafat Library Rabwah
نمبر ۶۳ | قادیان دارالامان مورخہ ۱۴ شعبان ۱۳۵۳ھ | جلد ۲۲

خطبہ جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گورنمنٹ کو اپنی غلطی کا اقرار کرنا چاہیے

اعلان کردہ سکیم کے متعلق چند باتیں

از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۱۶- نومبر ۱۹۳۴ء

سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-
مَیں نے اپنی طرف سے پچھلے خطبہ جمعہ میں اُس مضمون کو ختم سمجھا تھا۔ جو

حکومت کے بارے میں

تھا۔ اور غالباً آج کے خُطبہ میں مجھے اُس حصہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ اور اپنے ارادہ کے مطابق تو مَیں فیصلہ کر چکا تھا۔ کہ اس بارے میں سردست کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اس دوران میں مجھے

ایک خط

ملا جس نے مجھے یہ تحریک کی۔ کہ اس حصہ کے متعلق میں اپنے خیالات کی کسی قدر اور وضاحت کر دوں ٭

یہ وضاحت ان واقعات کے متعلق نہیں ہے جن کو تفصیل کے ساتھ میں نے بیان کیا تھا۔ بلکہ یہ وضاحت اس

طریقِ عمل

کے متعلق ہے۔ جو ہماری جماعت کو میرے نزدیک حکومت کے متعلق اختیار کرنا چاہیے۔ یا جس طریق عمل پر ہم ہمیشہ کاربند رہتے چلے آئے ہیں۔ میں یہ وضاحت سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میری ساری عُمر میں میرا انقطۂ نگاہ یہ کبھی نہیں ہوا۔ کہ میں

غیر معمولی جوش

دکھاؤں۔ یا غیر معمولی طور پر اپنے آپ کو اپنے جوشوں کے حوالے کر دوں۔ ساری عمر میں مجھے

ایک واقعہ

یاد ہے۔ اور وُہ خلافت سے پہلے کا ہے۔ اس میں کچھ میری عُمر کا بھی تقاضا تھا۔ مگر بہر حال ساری عمر میں مجھے وہی واقعہ یاد ہے۔ جس کے متعلق اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اس وقت میرے

فیصلے کا توازن

باقی نہیں رہا تھا۔ اور اگر ایک ساعت اور ایک لحظہ کے اندر اندر میری غلطی مجھ پر واضح نہ ہو جاتی۔ تو شائد مجھ سے کوئی ایسی حرکت ہو جاتی۔ جس کے متعلق بعد میں مجھے شرمندگی محسوس ہوتی۔ اور میں خیال کرتا۔ کہ میں نے جلد بازی سے کام لیا۔ اس واقعہ کے علاوہ مجھے اپنی

ساری زندگی میں

کوئی ایسا واقعہ نظر نہیں آتا۔ جبکہ میرے ہوش و حواس کھوئے گئے ہوں۔ جبکہ

غصہ یا غیرت

نے میری عقل کو کمزور کر دیا ہو۔ اور جبکہ میری قوتِ فیصلہ میں کس وجہ سے ضعف آگیا ہو۔ بلکہ ہر حالت میں خواہ وُہ خطرناک ہو۔ یا معمولی۔ خواہ حکومت سے تعلق رکھنے والی ہو۔ یا رعایا سے۔ ہمیشہ خدا تعالٰے کے فضل سے میری

عقل میرے جذبات پر غالب رہی ہے

اور میری دینی سمجھ میرے جوشوں کی راہنمائی کرتی رہی ہے اور یہی بات اس موقعہ پر بھی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ اس موقعہ پر میرے دل میں غیرت پیدا ہوئی۔ اور سلسلہ کی ہتک اور

سلسلہ کے متعلق آئندہ خطرات

کو دیکھتے ہُوئے میری طبیعت میں ایک ایسا جوش پیدا ہُوا۔ جو بغیر تسلی اور اطمینان کے دبنے کو تیار نہیں۔ اور انشاء اللہ تم اس کے بغیر نہیں دبے گا۔ مگر باوجود اس کے میں نے عقل نہیں کھوئی۔ اور نہ اس راستہ کو ایک منٹ کے لئے بھی چھوڑا ہے جس کی سلسلۂ احمدیہ ہمیں تعلیم دیتا ہے۔ اور جس کی دُنیا میں ہم ہمیشہ تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔ پس

میری تمام سکیم

اور میرے

تمام جذبات کے چاروں کونے

اور اس کی بنیادیں ان نشانات پر ہیں۔ جن کو شریعت نے قائم کیا۔ اور جن کو سلسلۂ احمدیہ نے دُنیا پر ظاہر کیا۔ اور میری سکیم کا ایک باریک ذرہ بھی ان بنیادوں سے باہر نہیں۔ جن کو شریعتِ اسلام اور سلسلۂ احمدیہ نے قائم کیا ہے۔ پس مجھے ان لوگوں کی باتیں ناپسند ہیں جو کہتے ہیں۔ کہ یہ کونسی

اہم بات

تھی۔ ایک شخص کے فعل پر اتنا جوش دکھانا نہیں چاہیے تھا۔ اور گو میں نہیں کہہ سکتا۔ اس قسم کی بات کہنے والے بہت سے لوگ ہیں۔ کیونکہ

ایک سے زیادہ خط

مجھے اس بارہ میں نہیں آیا۔ لیکن چونکہ ممکن ہے۔ کہ بعض اور بھی لوگ ہوں جو یہ خیالات رکھتے ہوں۔ اس لئے میں نے "لوگ" کا لفظ استعمال کیا۔ اُس لکھنے والے نے لکھا ہے۔ کہ حکومت کی طرف سے جو نوٹس دیا گیا۔ ایک شخص کا فعل ہے۔ پس اس سے زیادہ ہمیں اسکو اہمیت نہیں دینی چاہیئے۔ میں نے اپنے گزشتہ خطبات میں بتایا ہے۔ کہ یہ ایک شخص کا فعل نہیں۔ اور نہ ہی ہمارے متعلق حکومت کا یہ ایک فعل ہے۔ بلکہ

افعال کا ایک لمبا سلسلہ

ہے جس میں کچھ مقامی ضلع کے افسر اور کچھ مرکزی گورنمنٹ کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

افسر شامل ہیں۔ مگر دُوسری طرف جو خط آیا ہے۔ اس کے لحاظ سے ممکن ہے۔ کہ اُس قسم کے خیالات رکھنے والے لوگ بھی ہماری جماعت میں ہوں۔ اس لئے میں وضاحت سے بعض باتیں کہہ دینا چاہتا ہوں ؛

جس خط کا میں نے ذکر کیا ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے۔ کہ ہم دیر سے محسوس کر رہے ہیں۔ کہ انگریز لوگ بغیر

شورش اور فساد

کے کوئی بات نہیں مانا کرتے۔ اور یہ کہ اُس دوست کے نزدیک اب وقت آگیا ہے۔ کہ ہم گورنمنٹ کے متعلق اُس

وفاداری کی تعلیم

پر جو ہمارے سلسلہ میں موجود ہے۔ دوبارہ غور کریں۔ اور سوچیں کہ کیا اس کی تشریح حد سے بڑھی ہُوئی تو نہیں۔ اور کیا وفاداری کا جو مفہوم ہم سمجھتے چلے آئے ہیں۔ وُہ

خوشامد اور تملق کا آئین

تو نہیں۔ غرض اس دوست کے نزدیک ہمارے لئے ضروری ہے، کہ ان تمام باتوں پر غور کر کے ہم پھر ایک رائے قائم کریں اور اس کے مطابق اپنے سلسلہ کی پالیسی کو ڈھالیں۔ گو اس خط میں جو مجھے لکھا گیا۔

سلسلہ کی تعلیم کی عظمت

کو قائم رکھا گیا ہے۔ اور گو اسلام کی عظمت اور اس کے احکام کی پابندی کو بھی ملحوظ رکھ لیا گیا ہے۔ لیکن اس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس نوجوان کے دل میں اور ممکن ہے۔ بعض اور نوجوانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال ہے۔ کہ سلسلہ کی وفاداری کی تعلیم کے جو معنے لئے گئے ہیں۔ وُہ زیادہ گرے ہُوئے اور اپنے اندر تذلل رکھنے والے ہیں۔ مگر میں بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ حکومت کی وفاداری کی ہمارے سلسلہ کی طرف سے جو تعریف کی گئی ہے۔ وُہ ایسے

وثوق اور یقین کے ماتحت

کی گئی ہے۔ کہ میں آج بھی اسے ویسا ہی صحیح اور درست سمجھتا ہوں۔ جس طرح آج سے پہلے درست سمجھا کرتا تھا۔ اور میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ یہی تعریف ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور

خدا تعالےٰ کے منشاء کو پُورا کرنے والی

ہے۔ اور خواہ آئندہ کیسے ہی خطرناک حالات پیش آئیں۔ بغیر ایک منٹ کے توقف کے میں اسی راہ پر چلنے کو تیار ہوں جس پر ہم ہمیشہ چلتے آئے کیونکہ مجھے

یقین کامل

ہے۔ کہ حکومت کی وفاداری کی ہمارے سلسلہ میں جو تعلیم ہے۔ اور اس کی جو تشریح کی گئی ہے۔ وُہ کیا بلحاظ ضرورت کے کیا بلحاظ خدا تعالےٰ کے حکم اور اس کے منشاء کے اور کیا بلحاظ اسلام کے مفاد اور اس کی ترقی کے بالکل صحیح اور درست ہے۔ اور اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔ اُس دوست نے اپنے خط میں

ایک واقعہ

بھی پیش کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ وُہ ایک دفعہ پبلک اسیکیوٹر کے سلسلہ میں سب انسپکٹری کے لئے بطور امیدوار پیش تھے

لاہور کے سینئر سپرنٹنڈنٹ

مسٹر ہارڈنگ کے سامنے جب انہوں نے اپنے آپ کو پیش کرتے ہُوئے کہا۔ کہ میں احمدیہ جماعت میں سے ہوں۔ اور احمدیہ جماعت وُہ ہے۔ جو حکومت برطانیہ کی ہمیشہ وفادار رہی ہے۔ تو

مسٹر ہارڈنگ

نے کہا۔ میں احمدیہ جماعت کی وفاداری کی کوئی حیثیت نہیں سمجھتا وُہ دوست لکھتے ہیں۔ جب ہماری جماعت کی وفاداری کے کوئی معنے ہی نہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ ہم لاکھوں روپیہ

حکومت کی بہبودی

کے لئے خرچ کریں۔ اور اپنی سینکڑوں قیمتی جانوں کو خطرات میں ڈالیں۔ اور حکومت کی وفاداری ان معنوں میں کرتے چلے جائیں کہ نازک اور مشکل مواقع پر اس کی حمایت کریں ؛

پہلے فریق کی غلطی

میں پیچھے ثابت کر چکا ہوں۔ اور بتا چکا ہوں کہ نہ ایک شخص کا فعل ہے۔ اور نہ اپنی ذات میں منفردانہ واقعہ ہے۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ اگر یہ اکیلا فعل بھی ہو۔ اور ایک شخص کا ہی فعل ہو۔ تب بھی بعض دفعہ ایک شخص کا ہی فعل نہایت بُرے نتائج پیدا کر دیا کرتا ہے۔ اور اگر ہمیں بعد میں بھی کبھی معلوم ہو کہ کسی ایک شخص کے فعل سے ہمارے

سلسلہ کی آئندہ ترقی پر اثر

پڑتا۔ یا ہمارے اور گورنمنٹ کے تعلقات خراب ہوتے ہیں۔ تو لازماً ہمارا فرض ہوگا۔ کہ ہم سلسلہ کی عظمت اور گورنمنٹ سے اپنے تعلقات کی درستی کے لئے اس کا ازالہ کریں۔ ورنہ مذہبی اور سیاسی دونوں لحاظ سے سلسلہ کو نقصان پہونچ سکتا ہے۔

اسلام میں اسکی مثال

موجود ہے۔ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہوازن پر فتح پائی۔ تو مال غنیمت میں ان کے بہت سے گلے اور ریوڑ بھی آئے۔ مکہ کے نو مسلموں کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے۔ کہ ان کے دلوں کو محبت اور پیار سے اسلام کی طرف مائل رکھیں۔ دُوسرے اس لئے کہ مکہ والے سمجھتے تھے کہ شاید مسلمان ہماری پرانی مخالفت کی وجہ سے دل میں ہم سے بغض رکھتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ہم پُرانی مخالفتوں کو یاد نہیں رکھتے۔ بلکہ بُھلا دیا کرتے ہیں ریوڑوں کے ریوڑ ان میں تقسیم کر دیئے۔ اس پر

انصار میں سے ایک نوجوان

جو اس حکمت کو نہیں سمجھتا تھا۔ کھڑا ہوا۔ اور اس نے کہا۔ تلواروں سے تو ہماری خون ٹپکتا ہے۔ مگر جب ہم نے جانیں قربان کر کے فتح حاصل کی۔ تو مال مکے والے لے گئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ ہوازن کے معرکہ میں

سب سے زیادہ قربانی

انصار نے ہی کی تھی۔ میں نے کئی دفعہ بتایا ہے۔ کہ جنگ حنین میں کفار کے مقابلہ میں ان نو مسلموں کی وجہ سے جو صحابہ کے ساتھ جنگ میں شامل ہو گئے تھے۔ اور کچھ ان کفار کی وجہ سے جو مسلمانوں کی طرف سے ہو کر لڑے۔ ان میں بھاگڑ پڑ گئی۔ اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے۔ یہاں تک کہ

صرف بارہ آدمی

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ گئے۔ اس وقت ہوازن کے چار ہزار تجربہ کار تیر انداز

مسلمانوں پر تیروں کی بارش

برسا رہے تھے۔ اور مسلمانوں کے گھوڑے اور ان کے اونٹ بے تحاشا بھاگے جا رہے تھے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حالت دیکھی۔ تو آپ نے حضرت عباس سے جن کی آواز بہت بلند تھی کہا۔ عباس زور سے آواز دو۔ کہ

اے انصار خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے

آپ نے اس موقع پر مہاجرین کو نہیں پکارا۔ بلکہ انصار کو پکارا۔ انصار خود کہتے ہیں جب ان کے کانوں میں یہ آواز پہنچی کہ اے انصار خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے۔ تو انہیں یوں معلوم ہوا کہ

صور اسرافیل

پھونکا جا رہا ہے۔ اور قیامت کا دن آگیا ہے۔ جو شخص اپنی سواری کو موڑ سکا۔ وہ اپنی سواری کو دوڑاتے ہوئے اور جس کی سواری نہ مڑ سکی۔ اس نے تلوار سے اس کی گردن اڑاتے ہوئے تیزی سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ چند منٹ میں ہی میدان صحابہ سے بھر گیا۔ اور مسلمانوں کی شکست فتح میں تبدیل ہو گئی ؛

یہ فتح جو

ہوازن کے مقابلہ میں

مسلمانوں کو حاصل ہوتی۔ خصوصیت سے انصار کی فتح تھی۔ مگر جب ایک بے وقوف نوجوان نے یہ الفاظ کہے۔ کہ

خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے

مگر ریوڑ مکہ والے لے گئے۔ تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کیا۔ اور فرمایا اے انصار مجھے تمہاری طرف سے یہ بات پہنچی ہے۔ انصار رو پڑے۔ اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ اس میں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہمارا کوئی قصور نہیں۔ یہ ایک

نادان نوجوان کے مونہہ کے الفاظ

ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس بات کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اور فرمایا۔ تم کہہ سکتے تھے۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اکیلا تھا۔ اس کی قوم نے اسے رد کر دیا۔ اس کے وطن والوں نے اسے اپنے گھر سے نکال دیا۔ اس کی تکذیب کی۔ اس کی تحقیر کی۔ اور اس کے

قتل کا ارادہ

کیا۔ مگر ہم گئے۔ اور اسے اپنے وطن میں لائے۔ اپنی عزتیں اس پر قربان کیں۔ اپنی جانیں اس پر فدا کیں۔ اور جب لڑائی ہوئی۔ تو اس کے دائیں بھی لڑے۔ اور بائیں بھی۔ آگے بھی لڑے۔ اور پیچھے بھی۔ یہاں تک کہ اس کے بھائیوں سے لڑ کر وہ شہر جس میں سے اسے نکالا گیا تھا۔ فتح کیا۔ اور اس کے لئے

جانی اور مالی ہر رنگ کی قربانی

کی۔ مگر جب مال دینے کا وقت آیا۔ تو اس نے اپنے رشتہ داروں اور وطن والوں کو تو مال دے دیا۔ مگر ہمیں یاد نہ رکھا۔ انصار ایسی مخلص جماعت بھلا اس کو کب برداشت کر سکتی تھی۔ ان کی

رونے روتے ہچکی بندھ گئی

اور انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ ہم تو کہہ چکے۔ یہ ایک نادان نوجوان کا فعل ہے۔ ہم اس سے بیزار ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کی بات کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ اور فرمایا اے انصار تم ایک اور بات بھی کہہ سکتے تھے۔ اور وہ یہ کہ خدا نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مکہ میں پیدا کیا۔ مگر

مدینہ والوں کی قربانیاں

خدا تعالےٰ کو کچھ ایسی پسند آئیں۔ کہ وہ اپنے خاتم النبیین کو مکہ سے اٹھا کر مدینہ میں لے آیا۔ پھر مدینہ والوں کی قربانیوں کو خدا تعالےٰ نے نوازا۔ اور انہیں توفیق دی۔ کہ وہ اس کے وعدوں کے پورا کرنے والوں میں شامل ہوئے۔ اور جب خدا تعالےٰ نے خاص اپنی طاقتوں اور بے انتہا قدرتوں کے نتیجہ میں ملک عرب کو اس کے رسول کے تابع کر دیا۔ اور مکہ جس میں سے اسے نکالا گیا تھا۔ فتح ہو گیا۔ تو مکہ والے تو اونٹ اور بھیڑیں ہانک کر لے گئے۔ مگر مدینہ کے لوگ خدا کے

رسول کو اپنے گھر

لے آئے۔ انصار نے پھر روتے ہوئے کہا۔ یا رسول اللہ جو کچھ ہوا۔ وہ ہمارے ایک بے وقوف نوجوان کا قول تھا۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ نے فرمایا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اس ایک نادان کے قول کی وجہ سے اب تم

دنیا کی بادشاہت سے ہمیشہ کے لئے محروم

رہو گے۔ تم نے جو کچھ لینا ہے۔ وہ مجھ سے حوض کوثر پر آ کر لینا۔

تیرہ سو برس گذر گئے۔ اس واقعہ کے بعد عرب حاکم ہوئے مصری حاکم ہوئے سپینش نسل کے لوگ حاکم ہوئے۔ مورش حاکم ہوئے۔ پٹھان حاکم ہوئے۔ مغل حاکم ہوئے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جانیں قربان کرنے والے انصار کسی

چھوٹی سی ریاست کے مالک

بھی نہ بن سکے۔

کتنی بڑی اہمیت ہے۔ جو ایک نادان کے قول کو دی گئی۔ اور یہ اہمیت اسی لئے دی گئی۔ کہ اگر یہ بات برداشت کر لی جاتی۔ تو یہ امر مشتبہ ہو جاتا۔ کہ نبی کے زمانہ میں جب کوئی قوم قربانی کرتی ہے۔ تو وہ احسان نہیں کرتی۔ بلکہ درحقیقت اس پر خدا تعالےٰ کا احسان ہوتا ہے۔ کہ اسے

خدمتِ دین کی توفیق

دی گئی۔

پس اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ یہ ایک شخص کا فعل ہے۔ یا

اپنی ذات میں منفرد انہ واقعہ

تب بھی یہ معاملہ اپنی ذات میں کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس قابل رہتا ہے۔ کہ اس کی طرف زیادہ توجہ کی جائے۔ مگر جیسا کہ میں ثابت کر چکا ہوں۔ یہ ایک شخص کا فعل نہیں۔ بلکہ ایک سے زیادہ افراد اس میں شریک ہیں۔ دوسرے یہ اکیلا واقعہ نہیں بلکہ واقعات کا ایک لمبا سلسلہ ہے۔ جس کی یہ ایک کڑی ہے۔

اسی طرح جو دوسرا اعتراض ہے۔ اس کے بارہ میں میں تسلیم کر لیتا ہوں۔ کہ مسٹر ہارڈنگ نے یہ کہا ہو۔ کہ میں

جماعت احمدیہ کی وفادارانہ خدمات

کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا۔ گو ممکن ہے۔ اس دوست کو بات کے سمجھنے میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔ لیکن یہ تسلیم کرتے ہوئے۔ کہ مسٹر ہارڈنگ نے یہ کہا۔ ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ

ساری انگریز قوم

انہی خیالات کی مؤید ہے۔ کیونکہ وہ صرف ایک کی غلطی ہے۔ اور ان الفاظ کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہم جماعت احمدیہ کی وفاداری کے بدلے اسے عہدے نہیں دے سکتے۔ یہ ایسی غلطی ہے جو کئی انگریزوں کو لگی ہوئی ہے۔ وہ ایسے وقت جبکہ انہیں کسی وفادار جماعت کی ضرورت ہو۔ جماعت احمدیہ کو مدد کے لئے بلاتے ہیں۔ مگر جب

عہدے دینے کا سوال

ہو۔ تو کانگرسیوں کو دے دیتے ہیں۔ مگر اس کا خمیازہ بھی گورنمنٹ بھگت رہی ہے۔ اور اب حالت یہ ہے۔ کہ

حکومت کے اپنے راز بھی محفوظ نہیں

ایک دفعہ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک افسر کو مجھ سے کسی مدد کی ضرورت پیش آئی۔ تو انہوں نے مجھ سے خواہش کی۔ کہ میں ان کے لئے کوشش کروں۔ اس غرض کے لئے میں نے ایک خط لکھوایا۔ مگر جس دوست کو وہ خط بھجوایا گیا تھا۔ انہوں نے لکھا کہ مجھے خط ایسی حالت میں ملا ہے۔ کہ مجھے شبہ ہے وہ رستہ میں کھولا گیا۔ اور اس کا مضمون ڈاک خانہ میں پڑھ لیا گیا ہے۔ پھر

عجیب بات

یہ ہے۔ کہ خط یہاں سے ٹکٹ لگا کر بھیجا گیا تھا۔ مگر وہاں جب پہنچا۔ تو اس پر کوئی ٹکٹ نہ تھا۔ لطیفہ یہ ہوا۔ کہ چٹھی رساں جب خط لے کر گیا۔ تو وہ کہنے لگا۔ کہ یہ تھا تو بیرنگ۔ مگر میں ڈاک خانہ سے اسے چوری لے آیا ہوں۔ تاکہ آپ کو پیسے نہ دینے پڑیں۔ مگر اس کا صاف یہ مطلب تھا۔ کہ

خط کھولا گیا

اور اس کا مضمون پڑھ لیا گیا۔ مگر چونکہ خط کھولتے وقت ٹکٹ پھٹ گیا۔ اس لئے اسے بغیر ٹکٹ ظاہر کیا گیا۔ مگر بلا ٹکٹ خط پہلے پوسٹ مین کے ہاتھ میں نہیں آ سکتا۔ بلکہ کلرک کے ہاتھ میں آنا چاہیئے تھا۔ اور اس صورت میں وہ فوراً بیرنگ کر دیا جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ پوسٹ مین کو یہ سکھا کر روانہ کیا گیا۔ کہ تم کہہ دینا کہ یہ خط تھا تو بیرنگ۔ مگر میں اسے

چوری لے آیا ہوں

تاکہ آپ کو پیسے نہ دینے پڑیں۔ اس سے پہلے کبھی یہ خیر خواہی ڈاک خانہ والوں کے ذہن میں نہ آئی تھی۔ پس بات صاف تھی۔ کہ وہ خط کھولا گیا۔ اور اس کے مضمون کو پڑھ لیا گیا۔ اب سوال پیدا ہوتا تھا۔ کہ

خط کس نے پڑھا

سو اس کے متعلق دو ہی صورتیں تھیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم تھا۔ کہ

کانگرس کی تائید

میں خط کھولے جاتے ہیں۔ چنانچہ کئی دفعہ جب ولایتی مال آتا۔ تو کانگرسیوں کو اطلاع مل جاتی۔ اور امرتسر وغیرہ سٹیشنوں پر گاڑی پہنچنے سے پہلے ہی کانگرسی پہنچ جاتے۔ اور شور مچانا شروع کر دیتے۔ پس ہمیں معلوم تھا۔ کہ

ڈاک خانہ کے عملہ میں سے

بہت سے لوگ کانگرسیوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ اور وہ خطوط کھول کر پڑھ لیتے ہیں۔ تاکہ اگر

کوئی اہم بات

ہو۔ تو کانگرس کو اس سے آگاہ رکھا جائے۔ خصوصاً گورنمنٹ کے خطوط کو تو وہ ضرور پڑھتے تھے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا تھا۔ کہ

گورنمنٹ نے خود اس خط کو کھولا ہو

کیونکہ ان دنوں اس

370

Digitized by Khilafat Library Rabwah

علاقہ میں شورش

تھی۔ اور قیاس ہو سکتا تھا۔ کہ گورنمنٹ نے ڈاک پر سنسر بٹھایا ہوا ہو۔ بہر حال جب مجھے معلوم ہوا کہ خط کھولا گیا ہے تو میں نے شکایت کی کہ اگر اس علاقہ میں سنسر تھا۔ تو اس افسر کو پہلے بتا دینا چاہیئے تھا۔ تاکہ اس خط کا مضمون نا اہل لوگوں کی نظروں سے نہ گزرتا۔ اس صورت میں ہم آدمی کے ہاتھ خط بھجوا دیتے۔ اس کا جواب اس افسر نے یہ دیا۔ کہ واقعہ سے ظاہر ہے کہ خط کھولکر پڑھا گیا ہے۔ لیکن اس علاقہ میں سنسر نہیں۔ ڈاکخانہ میں جو

کانگرس سے ہمدردی رکھنے والے

لوگ ہیں۔ وہ بھی خط پڑھ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں نے کھولا ہوگا پس اب تو گورنمنٹ کے خطوط بھی محفوظ نہیں رہے اور اگر کوئی

اہم راز کی بات

لکھنی ہو۔ تو گورنمنٹ کو اپنے آدمیوں کے ذریعہ وہ خبر بھجوانی پڑتی۔ یا اور

قابل اعتماد ذرائع

کو اختیار کرنا پڑتا ہے ؂

غرض گورنمنٹ کی اب یہ حالت ہے۔ کہ اس کے اپنے خطوط بھی محفوظ نہیں۔ اور اس کی کوئی بات ایسی نہیں۔ جو دوسروں کے پاس پہونچ نہ جاتی ہو۔ ایک دفعہ

گورنمنٹ کے ایک سکرٹری

شملہ میں چائے پر میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں کہا۔ کہ آپ کی ہر بات کانگرس کے پاس پہونچتی رہتی ہے۔ آپ کو بھی کوئی ایسا انتظام کرنا چاہیئے۔ کہ ان کی باتیں آپ کو پہونچتی رہیں۔ انہوں نے کہا۔ آپ کو یہ کس نے بتایا ہے۔ کہ ہم نے کانگرس میں اپنے آدمی نہیں رکھے ہوئے۔ ہماری باتیں انہیں پہونچتی رہتی ہیں اور ان کی باتیں ہمیں معلوم ہوتی رہتی ہیں۔ یہ حالت اسی لئے ہوئی ہے۔ کہ گورنمنٹ خیال نہیں رکھتی۔ کہ وفادار جماعتوں کو اعلےٰ عہدوں پر پہنچائے۔ اگر اعلےٰ عہدوں پر اس کی

وفادار جماعت کے ارکان

ہوں۔ تو اس کے راز مخفی رہیں؎ اور کبھی بھی وہ حالت نہ ہو جو آج کل ہے ؂

سر ڈوائر سابق لفٹیننٹ گورنر

جو مسلمانوں کے نہایت ہی خیر خواہ اور ہندوستانیوں کے ہمدرد افسر تھے۔ وہ کہا کرتے تھے۔ کہ ہندوستان کی گورنمنٹ ایسے اصول پر قائم ہے۔ کہ نہ دشمن کو اس سے ڈرنے کی ضرورت ہے اور نہ دوست کو کسی امداد کی امید۔ اور جب تک یہ حالت پیدا نہ ہوگی۔ کہ گورنمنٹ واضح کر دے۔ کہ اس کا دوست فائدہ میں رہتا۔ اور اس کا دشمن نقصان اٹھاتا ہے۔ اس وقت تک

صحیح معنوں میں امن

قائم نہیں ہو سکتا ؂

پس مسٹر ہارڈنگ نے جو کچھ کہا۔ اس سے جو نتیجہ نکالا گیا ہے۔ وہ درست نہیں۔ اس لئے کہ کسی ایک شخص کا فعل ساری قوم کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ کیا انگریزی قوم ساری ہی ایسی ہے کہ وہ

وفاداروں کی قدر

نہیں کرتی۔ کبھی نہیں۔ ہم تو ایسے انگریزوں کو جانتے ہیں۔ کہ جب انہیں معلوم ہو۔ کہ کوئی قوم یا فرد اپنے

جائز حقوق کے لئے جدوجہد

کر رہا ہے۔ تو وہ دھڑلے اور جرأت کے ساتھ اس کی تائید کرتے ہیں۔ میں ایسے

انگریز افسروں کے نام

بھی لے لیتا۔ اگر مجھے یہ یقین ہوتا۔ کہ میرے نام لینے سے ان کے راستہ میں کوئی مشکلات پیدا نہیں ہونگی۔ خود پنجاب گورنمنٹ میں بھی ایسے افسر ہیں۔ جو ہمیشہ ہمارے ساتھ وفاداری کا سلوک کرتے چلے آئے ہیں۔ اور جب بھی ہمیں مشکلات پیش آئی ہیں۔ انہوں نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔ اور جب انہیں معلوم ہوا ہے۔ کہ حکام ہمارے متعلق

ناواجب سختی

سے کام لے رہے ہیں۔ تو انہوں نے اس کا ازالہ کیا ہے۔ پس اگر کسی مسٹر ہارڈنگ نے یہ کہا۔ کہ ہم جماعت احمدیہ کی وفاداری کی کوئی قدر نہیں کرتے۔ تو ایسے بھی تو انگریزوں میں بہت سے افسر ہیں۔ جو ہماری وفاداری کی قدر کرتے اور ایسے

عزت و عظمت کی نگاہ سے

دیکھتے ہیں۔ پس ایک شخص کے قول سے ہم بہت سے انگریز افسروں کے فعل کو کس طرح باطل کر سکتے ہیں۔ مومن کا تو یہ کام ہے۔ کہ وہ نیکی کو یاد رکھتا۔ اور بدی کو بھول جاتا ہے۔ پھر جبکہ ایسے انگریز افسروں کی کمی نہیں۔ جو نیک کام کرتے اور ہمدردی اور خیر خواہی کے رنگ میں ضرورت پر مدد کرتے۔ اور

تکالیف کے ازالہ کی کوشش

کرتے ہیں۔ اور جب جانتے ہیں۔ کہ حق ہمارا ہے۔ تو وہ ہمیں دلوانے کی سعی کرتے ہیں اور بسا اوقات اپنا رستہ چھوڑ کر بھی ہم سے ہمدردی کرتے ہیں۔ تو ایسی حالت میں

چند کوتہ بین انگریزوں کا فعل

ہم پر ذرہ بھر بھی اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ دوسرے میرے نزدیک

شکایت کرنیوالے کی اپنی غلطی

ہے۔ کیونکہ اس نے ہماری جماعت کی خدمات سے خود فائدہ اٹھانا چاہا۔ جو کسی طرح درست نہیں۔ ہم گورنمنٹ سے جو تعلق رکھتے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں۔ تو یہ اپنے کسی فائدہ کے لئے نہیں کرتے بلکہ اس لئے کرتے ہیں۔ کہ ہمارا مذہب ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور گو گورنمنٹ کا فرض ہے۔ کہ وہ وفاداروں کا لحاظ کرے۔ اور انہیں دوسروں پر

ملازمت وغیرہ میں ترجیح

دے۔ مگر وہ ایسا کرتی نہیں۔ حکومت کے بہت سے افسر قربانیوں کو نہیں دیکھتے۔ صرف

گرد و پیش کے خوشامدیوں پر انکی نظر

ہوتی ہے ان کی مثال بالکل وہی ہے۔ جو ہمارے ملک میں مشہور ہے۔ کہ "انھاں ونڈے ریوڑیاں مڑ مڑ اپنیاں نوں"۔ یعنی ریوڑیاں بانٹنے والا اندھا اپنوں کو ہی ریوڑیاں دیتا ہے۔ جس کسی سے ذاتی تعلقات ہوتے ہیں۔ اسے ملازمت وغیرہ میں ترجیح دے دی جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ

ملک میں بے چینی

پھیلی رہتی ہے۔ اور گورنمنٹ پر لوگوں کے اعتماد کو صدمہ پہنچتا ہے۔ ہمارا ہی ایک عزیز تھا۔ گو اس سے جدی رشتہ تو نہیں مگر نھیالی اور رشتوں کے لحاظ سے اس سے ہمارا تعلق ہے ایک دفعہ تحصیلداری کے لئے اس نے نام پیش کیا۔ اور سلسلہ کے کارکنوں نے اس کی سفارش کی۔ کہ اس خاندان سے

حکومت کے پرانے تعلقات

ہیں۔ اس نوجوان کا اگر خیال رکھا جائے۔ تو اچھا ہوگا خصوصاً جبکہ وہ ذاتی طور پر بھی قابل ہے۔ مگر انگریز ڈپٹی کمشنر نے اتنی تکلیف بھی گوارا نہ کی۔ کہ اس کا نام بھجوا دیتا۔ اور دوسرے ایسے امیدواروں کے نام بھجوا دیئے۔ جو صرف

حاشیہ نشینی کا امتیاز

رکھتے تھے۔ اس کے بعد کمشنر سے کہا گیا۔ کہ اب آپ کو اختیار ہے۔ آپ چاہیں۔ تو بلا سکتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ہمارے عزیز کو بلا لیا ؂

غرض بعض انگریز یقیناً ایسے ہیں۔ جو اس قسم کی غلطی کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت انہیں اس طرح کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ

ملک کی بہتری

اسی میں ہے۔ کہ جو لوگ حکومت سے تعاون کرنے والے ہوں۔ ان کا زیادہ خیال رکھا جائے۔ اور ان کی اقتصادی حالت درست کی جائے۔ اس لحاظ سے خواہ ہم خود نہ مانگیں۔ گورنمنٹ کا فرض ہے۔ کہ وہ

ہمارا لحاظ رکھے

لیکن یہاں چونکہ ہماری جماعت کے ایک آدمی نے اعتراض کیا ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں۔ کہ اس نے غلطی کی۔ کیونکہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جماعت کی خدمات سے خود فائدہ اٹھانیکی سعی

کرنا بہت معیوب بات ہے اسی قسم کی غلطی جماعت کے ایک اور دوست نے بھی کی تھی۔ وہ لائل پور کے رہنے والے ہیں انہوں نے کسی ذاتی مفاد کے لئے ڈپٹی کمشنر کے سامنے جماعت کی

وفادارانہ خدمات

پیش کیں۔ اور چونکہ آدمی مخلص تھے اس لئے انہوں نے مجھے بھی لکھ دیا کہ میں نے ڈپٹی کمشنر کو یہ کہا ہے۔ میں نے انہیں فوراً لکھا کہ یہ آپ نے

سخت غلطی

کی۔ آپ ڈپٹی کمشنر کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ میں نے جو کچھ کہا۔ وہ غلطی سے کہا اور یہ کہ میرے لئے ایسا کہنا جائز نہ تھا۔ پس قومی خدمات سے کسی فرد کو فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ہاں یہ

مرکزی افسروں کا کام

ہے کہ وہ حکام کے کانوں میں یہ بات ڈالتے رہیں کہ حکومت سے تعاون اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والوں سے نمایاں سلوک ہونا چاہیئے۔ تاکہ یہ سلوک ان کے

جذبات اطاعت

کو بیدار کرنے میں ممد ہو۔ ورنہ ہمارا اصل یہ ہے کہ ہم ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ نہ جائز، بلکہ اس بات کے قائل ہیں کہ اپنی قابلیت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اگر ہم کبھی سفارش سے کام کراتے ہیں تو اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں جب زید نے سفارش سے فلاں عہدہ حاصل کرنا ہے تو ہم کیوں نہ بکر کی سفارش کر دیں۔ پس یہ ایک

عام رو کے ماتحت ہمارا طریق عمل

ہے۔ ورنہ اگر عہدوں کا ملنا لیاقت پر موقوف رکھا جائے تو ہم کبھی کسی کی سفارش نہ کریں۔ پس میرے نزدیک اس دوست کا فعل ایک غلطی ہے۔ ہمارا اصول یہ ہے کہ ہم حکومت کی خدمات اپنے عقائد کی بنا پر کرتے ہیں۔ اسی طرح

ملک اور سیاست

کے فائدہ کے لئے کرتے ہیں۔ نہ کہ انگریزوں پر احسان کرنے کے لئے۔ پس یہ جائز نہیں کہ جماعتی خدمات کو شخصی مفاد کے لئے پیش کیا جائے۔

برطانوی حکومت سے تعاون کی وجہ

حقیقت یہ ہے کہ

برطانوی ایمپائر

کے متعلق مجھے یہ یقین کامل ہے کہ دنیا کے آئندہ امن کے لئے یہ بطور بیج ہے۔ آج جس قدر دنیا میں فساد نظر آتا ہے ایک قوم دوسری قوم پر اور ایک حکومت دوسری حکومت پر چڑھتی نظر آتی ہے۔ اس کشمکش کو دور کرنے کے لئے برطانوی ایمپائر

بہترین نمونہ

ہے۔ اس کے ماتحت بعض آزاد ملک ہیں جو اپنی اقتصادیات افواج اور بری اور بحری جنگوں کے خود مختار ہیں مگر اس کے باوجود اخلاقی رنگ میں ان کا انگلستان سے بھی تعلق ہے۔ وہ انگلستان کے لئے قربانی کرنے پر تیار رہتے ہیں اور انگلستان ان کے لئے قربانی کرنے پر آمادہ رہتا ہے۔ یہ حکومت کا ایک ایسا

خوبصورت نمونہ

ہے جسے توڑنا دنیا پر ظلم کرنا ہے۔ ہم اگر اس نمونہ کی طرف دنیا کو لانے کی کوشش کریں تو کل کو وہ مشن بھی کامیاب ہو کر رہے گا۔ جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے اور جس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا سے فساد دور کیا جائے اور عالمگیر طور پر امن قائم کیا جائے۔ مجھے اپنے اس عقیدہ پر اس قدر یقین ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ جب میں اس کے متعلق

انگریزوں سے گفتگو

کرتا ہوں۔ تو ان میں سے کئی اپنے دل میں ہنستے ہونگے اور کہتے ہونگے کہ ہم نے آج

ایک پاگل

دیکھا ہے۔ مگر میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں۔ جو خود انگریزوں کو بھی نظر نہیں آتا۔ کیونکہ میری آنکھوں کو

غیب بینی کی قوت

دی گئی ہے اور وہ اس سے محروم ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ دنیا آئندہ انہی کے ساتھ وابستہ ہو کر ترقی کرے گی مگر میں یہ جانتا ہوں اور ایک اور ایک دو کی طرح مجھے یہ یقین ہے کہ اگر دنیا

پر امن تعاون کی راہ

پر ترقی کرنا چاہتی ہے تو اسے برطانوی حکومت کے نمونہ پر ایک ڈھانچہ تیار کرنا ہوگا۔

بہرحال برٹش ایمپائر اپنے نمونہ اور اپنی ذات کی وجہ سے دنیا میں امن قائم کرنے میں ممد ہے اور خواہ

انگریز ہمارے دشمن

ہو جائیں۔ تب بھی میں اس بارے میں اختلاف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ ان کا ذاتی فعل ہوگا اور یہ اصول کا سوال ہے۔ یوں بھی اگر

انگریزی حکومت کا دوسری حکومتوں سے مقابلہ

کر کے دیکھو۔ تو بہت بڑا فرق نظر آئے گا اس میں شبہ نہیں کہ

انگریزوں میں اکھڑ ظالم اور خودپسند

ہر قسم کے لوگ ہیں۔ مگر ان میں اچھے سے اچھے لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ بلکہ اب بھی اکثریت ایسے انگریزوں کی ہے جو کوشش کرتے ہیں کہ دنیا میں امن قائم ہو اور اکثریت ایسے انگریزوں کی ہے جو دوسری حکومتوں کے ارکان کے مقابلہ میں بہت زیادہ اچھے ہیں۔ میں نے

فرانسیسی اور روسی حکومت کی رعایا

کو دیکھا ہے۔ ان دونوں حکومتوں کے ماتحت لوگوں نے میرے سامنے جو تکالیف بیان کیں۔ وہ ان تکالیف سے بہت زیادہ ہیں جو انگریزوں کے متعلق بیان کی جاتی ہیں۔ شام میں جب میں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ لوگ فرانسیسی حکومت سے جس کے وہ ماتحت رہتے ہیں اتنے شاکی تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ پھر ان کی باتیں ایسی تھیں جو دل پر نہایت گہرا اثر ڈالتیں۔ انگریزوں کے متعلق جو باتیں بیان کی جاتی ہیں وہ استدلالی رنگ میں بیان کی جاتی ہیں۔ مگر ان کی باتیں واقعات کے پیرایہ میں تھیں۔ خود مجھے

ایک عجیب تجربہ

ہوا۔ جب میں انگلستان جاتے ہوئے شام گیا تو وہاں میں نے ایک

تبلیغی رسالہ

چھپوایا۔ مسلمانوں نے اس پر شور مچایا کہ اسے ضبط کر لینا چاہیئے اتفاقاً میں اسی دن

فرانسیسی گورنر

سے ملنے گیا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا۔ تو وہ نہایت ہی میٹھی زبان میں مجھ سے ہمکلام ہوا۔ اور کہنے لگا آپ کیا پئیں گے شربت پئیں گے۔ ؟ کافی پئیں گے ؟ طبیعت کیسی ہے۔ آپ کی کیا تواضع کروں۔ بالکل وہی طریق تھا جو ہمارے ہاں مروج ہے دوران گفتگو میں اس ٹریکٹ کا بھی ذکر آ گیا کہ لوگ اس کے خلاف بلاوجہ شور کر رہے ہیں۔ اور میں نے سنا ہے کہ حکومت اسے ضبط کرنا چاہتی ہے تو وہ کہنے لگا۔ یہ بالکل غلط بات ہے ہم

مذہبی معاملات میں دخل

دینے کا کیا حق ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ حکومت نے واقعہ میں اسے ضبط کر لیا تھا جب بعض افسران کے پاس شکایت کی گئی کہ گورنر تو اس فعل کو ناجائز قرار دیتا ہے پھر یہ کس طرح ضبط ہوا۔ تو انہوں نے بتایا کہ خود گورنر کے حکم سے ایسا ہوا ہے۔ اور ہمارے آدمیوں کو بتایا گیا جب وہ آپ کو شربت پلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ہم

مذہبی معاملات میں دخل

نہیں دیا کرتے۔ تو اس سے پہلے وہ اس

نوٹس پر دستخط

کر چکا تھا۔

371
Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس ایک مثال سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ سارے فرانسیسی افسر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ان میں نیک اور

فرض شناس افسر

بھی ہیں۔ لیکن گو وہ زبان کے بہت میٹھے ہوتے ہیں۔ تعلقات میں ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ جو تشدد اور سختی کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہے۔ اسی لئے مراکو وغیرہ میں ان کے خلاف سخت

جذبۂ منافرت

پھیلا ہوا ہے۔ روسی حکومت کے حالات تو سب پر ظاہر ہیں وہ

مذہب میں دست اندازی

کرتی ہے۔ پس انگریزوں کے اخلاق روسی اور فرانسیسی افسروں سے بہت زیادہ اچھے ہیں۔ گو میں یہ بھی جانتا ہوں۔ کہ ہندوستانیوں کے اخلاق روسیوں اور فرانسیسیوں کے اخلاق اچھے ہیں۔ ہمارے ہندوستانی تو اخلاق کو بھون کر کھا گئے ہیں۔ اور جب بھی انہیں کسی سے مخالفت ہو۔ وہ اس کا

تختہ الٹنے کی دھمکی

دینے سے نیچے نہیں ہٹتے۔ ان کی مثال بالکل ان فقیروں کی سی ہوگئی ہے۔ جو کہتے ہیں۔ پیسہ دو۔ اور اگر نہ دیں۔ تو کہتے ہیں

"الٹا واں چوداں طبق"

غرض یہ فقیر بن گئے ہیں۔ اخلاق کھو بیٹھے ہیں۔ اور سوائے تختہ الٹنے کے اور کوئی کام نہیں جانتے ؛

میں نے گزشتہ خطبات کو جو لمبا کیا۔ تو اسی وجہ سے کہ میں سمجھتا ہوں۔ اگر

حکومت سے ہماری صلح

ہو جائے۔ تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ بہ نسبت اس کے کہ ہمیں کوئی اور طریق عمل تجویز کرنا پڑے۔ ورنہ سکیم تو میں ابتدا میں ہی بتا سکتا تھا۔ پھر بعض ایسے نقصانات کے خدشہ نے بھی مجھے اب تک سکیم کے بیان کرنے سے روکا ہوا ہے۔ جو ممکن ہے مسلمانوں اور سلسلہ کے لئے کسی پہلو سے مضر ہوں ؛

میں جانتا ہوں۔ کہ گو ہماری جماعت تھوڑی ہے۔ مگر خدا تعالےٰ نے ہماری جماعت کو علم اور فہم عطا کیا ہوا ہے۔ ہم اگر ایک دو قدم اس طرف چلیں گے۔ تو دوسرے مسلمان چند دن

مخالفانہ شور

مچا کر ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ اور پھر اگر ہم ایک قدم چلیں گے تو وہ دس قدم چلیں گے۔ اور بالکل

تحریک کشمیر کی سی حالت

ہو جائے گی۔ کشمیر میں نہایت عمدگی سے کام ہو رہا تھا۔ احرار نے جونہی دیکھا۔ کہ ہمیں کامیابی ہو رہی ہے۔ فوراً درمیان میں آ کودے۔ اور اعلان کر دیا۔ کہ کشمیر میں جتھے لے کر چلو۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں انہوں نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ اور یقیناً اگر

میری طرف سے

سارے ہندوستان میں تنظیم

نہ ہوئی ہوتی۔ تو وہ کبھی اتنے آدمی اکٹھے نہ کر سکتے۔ اسی احرار کانفرنس کے موقعہ پر دیکھ لو۔ انہوں نے اعلان کیا۔ کہ ساٹھ ہزار بلکہ ایک لاکھ فرزندانِ توحید جمع ہونگے۔ مگر ان کے جس قدر آدمی آئے۔ ان کے متعلق

ریل والوں کا اندازہ

ہے۔ کہ اڑھائی تین ہزار تھے۔ باقی ستاون ہزار آدمی کہاں گیا۔ حالانکہ اتنی دیر سے شور مچا رکھا تھا۔ اور کوشش بھی بہت کی گئی تھی۔ لیکن تحریک کشمیر کے موقعہ پر چونکہ میری وجہ سے تمام ہندوستان میں جوش پیدا ہو چکا تھا۔ اس لئے ۱۲ ہزار کے قریب آدمی جیلخانوں میں چلے گئے۔ اور جتھے بھی دور دور سے آئے۔ اس سے پہلے نہرو رپورٹ کے موقعہ پر بھی گو یہ درمیان میں آئے۔ مگر انہیں ناکامی ہوئی۔ پس

گزشتہ واقعات

بتاتے ہیں۔ کہ ہماری تحریک سے یہ خود فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان حالات میں بالکل ممکن ہے۔ کہ ہماری آئینی تحریک کو یہ دخل دیکر

غیر آئینی

بنا دیں۔ کشمیر کی تحریک کو ہی دیکھ لو۔ یہ سب آئین کے اندر تھی کشمیر گورنمنٹ نے سنسر بٹھا بٹھا کر ہمارے خطوط پکڑے۔ جو اب تک اس کے پاس محفوظ ہیں۔ مگر وہ کسی خط کو شائع کر دے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ کیونکہ ہم ہمیشہ خدا تعالےٰ کے فضل سے قانونی اور

آئینی رنگ میں کام کرنے والے

ہیں۔ مگر چونکہ ایسے موقعوں پر لوگوں میں جوش بھی پیدا کرنا پڑتا ہے اس لئے اس قسم کے لوگ فائدہ اٹھا کر کام کو خراب کر دیتے ہیں۔ پس چونکہ اوّل میں ڈرتا ہوں کہ مبادا ایسے کارکن مجھے میسر نہ ہوں۔ جو پورے طور پر میری بات کو سمجھنے والے ہوں۔ اور وہ

میرے منشا کے خلاف

کام کرنے لگیں۔ دوسرے مجھے یہ خوف بھی ہے۔ کہ کہیں عام مسلمان اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہماری آئینی تحریک کو خراب نہ کر دیں۔ اس وجہ سے میں نے بات کو اس خیال سے لمبا کیا ہے۔ کہ اگر حکومت سے

محبت سے سمجھوتہ

ہو جائے۔ تو یہ ہمارے لئے زیادہ اچھا رہے گا۔ بجائے اس کے کہ اختلاف کر کے ہمیں بات کو پھیلانا پڑے۔ گو بعض تجاویز ایسی بھی ہیں۔ جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں۔ کہ ممکن ہے۔ ان کے برتنے کا رلانے میں زیادہ خطرہ نہ ہو۔ اور نہ بالعموم دوسرے لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ مگر سیاسیات میں کوئی

شخص کہہ نہیں سکتا۔ کہ

آئندہ رَو

کس طرف چلی جائے۔ پس میں نے اب تک یہ طریق رکھا ہے۔ کہ حکومت پنجاب کے پاس اپیل کی جائے۔ اور اگر وہاں شنوائی نہ ہو۔ تو آگے قدم بڑھایا جائے۔ مگر میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ اس طریق پر چلنے سے اللہ تعالےٰ ہمیں کامیابی عطا فرمائے گا۔ کشمیر کے معاملہ میں اگر اسی طریق سے ہمیں کامیابی ہو گئی۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ ہم یہاں کامیاب نہ ہوں ؛

گورنمنٹ کے لئے

ایسا کرنا کوئی مشکل امر بھی نہیں۔ دنیا میں ہمیشہ دو وجہوں سے حکومتیں

تلافیٔ مافات

کرنے سے رکتی ہیں۔ یا تو اس لئے کہ تلافی کرنا اس کے لئے ناممکن ہوتا ہے۔ یا اس لئے کہ تلافی کرنے میں وہ ہتک سمجھتی ہیں۔ لیکن اس موقعہ پر نہ ناممکن ہونے کا سوال ہے اور نہ ہتک کا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر حکومت اپنی بات پر قائم رہتی ہے۔ تو اس میں

ہماری ہتک

ہے۔ اور اگر وہ اس کا ازالہ کر دے۔ تو اس میں اس کی کوئی ہتک نہیں۔ بلکہ عزت ہے۔ گورنمنٹ نے ہماری کسی جائداد کو تو لوٹا نہیں۔ جس کا واپس کرنا اس کے لئے مشکل ہو رہا ہے۔ وہ کیوں دلیری سے نہیں کہہ دیتی۔ کہ اسے واقعات غلط رنگ میں پہنچائے گئے ہیں۔ اور اس بناء پر اس نے جو کچھ کیا۔ اس پر اسے بہت افسوس ہے۔ اگر گورنمنٹ ایسا کہہ دے۔ تو یہ اسکی عزت کا موجب ہوگا۔ کیونکہ

سچ کا اقرار کرنا ذلّت نہیں بلکہ عزت ہوتا ہے

اور دنیا میں ہمیشہ وہی معزز سمجھا جاتا ہے۔ جو حق پر قائم رہتا ہے۔ لیکن اگر ہم اپنی بات چھوڑ دیں۔ تو اس میں ہماری ذلّت ہے کیونکہ ہماری بے غیرتی اور

بزدلی کا ثبوت

ملتا ہے۔ کہ ناحق اور بلاوجہ تذلیل کو برداشت کر لیا۔ پس قربانی گورنمنٹ کی طرف سے ہونی چاہیئے۔ نہ کہ ہماری طرف سے۔ دنیا میں بھی جب دو قربانیوں کا مقابلہ ہو۔ اور ایک کی قربانی اسے ذلیل کرنے والی اور دوسرے کی قربانی اسے معزز بنانے والی ہو۔ تو اسے ہی قربانی کرنی پڑتی ہے جسکی قربانی اسے معزز بنانے والی ہو۔ پس گورنمنٹ کے لئے اس میں کوئی مشکل نہیں۔ صرف ہمت کی بات ہے۔

غرض چونکہ ہم اگر بات چھوڑ دیں۔ تو اس میں ہماری تذلیل ہوتی ہے نہ صرف اپنی نگاہوں میں۔ بلکہ دشمنوں کی نگاہوں میں بھی۔ اور پھر اخلاق بھی بگڑ جاتے ہیں۔ کیونکہ کوئی قوم جو

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بغیر کسی جرم کے ذلت

برداشت کر لیتی ہے۔ کبھی سر نہیں اٹھا سکتی۔ اور اس قابل ہوتی ہے کہ مٹی میں اسے دفن کر دیا جائے۔ لیکن اگر حکومت قدم اٹھائے تو یہ اس کی عزت کا موجب ہے۔ اس لئے گورنمنٹ کا ہی فرض ہے۔ کہ وہ

اپنی غلطی کا اقرار

کرتے ہوئے صلح کے لئے ابتدا کرے۔ اسی سلسلہ میں میں جماعت کے لوگوں سے کہنا چاہتا ہوں۔ کہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں۔ جو عاقبت بینی سے خالی ہو۔ مثلاً قادیان میں ہی حال میں

ایک جلسہ

ہوا۔ اس کے ریزولیوشنوں میں بلاوجہ ایسے افسروں کے نام لے لئے گئے۔ جن کے نام لینے نہیں چاہیے تھے۔ جماعت کا صرف اتنا کام ہے۔ کہ جو مرکز کی طرف سے نام ظاہر کئے جائیں۔ وہ لے۔ اور جن کا نام مرکز سے ظاہر نہ کیا جائے۔ اسے نہ لے۔ اب میں

اعلان کردہ سکیم

کے متعلق چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات جو میں آج بیان کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اس سکیم کی اہمیت کے متعلق ہے۔ یہ بات میں کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں۔ کہ

احرار کا فتنہ

کوئی بڑا فتنہ نہیں۔ ان کے جلسہ کے بعد بھی میں یہ نہیں کہتا۔ کہ ان کا فتنہ کوئی

غیر معمولی فتنہ

ہے۔ مگر جب میں کہتا ہوں۔ کہ یہ فتنہ کوئی بڑا فتنہ نہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ یہ اپنی ذات میں کوئی بڑا فتنہ نہیں بلکہ یہ مطلب ہے۔ کہ اس سے بڑے بڑے فتنے جماعت کے سامنے آنے والے ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگوں کے دلوں میں شبہ پیدا ہو۔ کہ ایک طرف تو کہا جاتا ہے۔ کہ یہ فتنہ کوئی بڑا فتنہ نہیں۔ اور دوسری طرف کہتے ہیں۔ کہ اس

فتنہ کے استیصال کے لئے

ہمیں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اگر یہ بڑا فتنہ نہیں۔ تو اس کے لئے اتنی بڑی قربانیوں کے لئے تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ فتنہ کوئی بڑا فتنہ نہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ

مت سمجھو کہ یہ آخری فتنہ

ہے۔ بلکہ سمجھو۔ کہ یہ بڑی لڑائیوں کا پیش خیمہ ہے۔ اور اس سے بہت بڑے بڑے فتنے ہیں۔ جو جماعت کے سامنے آنے والے ہیں۔ کیونکہ ہم نے احمدیت کسی ایک شہر یا ملک میں نہیں پھیلانی بلکہ ساری دنیا کو احمدیت میں شامل کرنا ہے۔ پس جبکہ ہمارا مقصد

ساری دنیا کا مقابلہ

کرنا ہے۔ تو ہم کس طرح سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اگر لاہور کے چودھری افضل حق صاحب۔ مولوی مظہر علی صاحب اور عطاء اللہ صاحب بخاری اور مولوی ظفر علی صاحب اور ان کے دوستوں کو ہم شکست دے لیں۔ تو ساری دنیا ہمارے لئے فتح ہو جائے گی۔ اگر ہم ایسا خیال کریں۔ تو یہ بیوقوفی ہی بات ہوگی۔ جس طرح کوئی شخص

چماروں کی ایک جھونپڑی

گرا آئے۔ اور سمجھے۔ کہ اس سے ملک کا بادشاہ ڈر کر بھاگ جائے گا۔ ان بیچاروں کی ہستی ہی کیا ہے۔ ان کی تو جو کچھ حیثیت قائم ہوئی۔ وہ ہماری مخالفت کی وجہ سے ہوئی ہے۔ ورنہ ان کی قوم کے اپنے لوگ بھی پرائیویٹ طور پر انہیں بہت برا سمجھتے ہیں۔ پس جب میں یہ کہتا ہوں۔ کہ یہ کوئی بڑا فتنہ نہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا۔ کہ ہمیں اس فتنہ کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیئے یا ہمیں اس کے

استیصال کا فکر

نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس سے بھی بڑے فتنے جماعت کے سامنے آنے والے ہیں۔ اور ہماری جماعت کا جہاں یہ فرض ہے۔ کہ وہ سمجھے۔ کہ یہ کوئی بڑا فتنہ نہیں۔ اس سے بڑے فتنوں کا اس نے مقابلہ کرنا ہے۔ وہاں اس کا یہ بھی فرض ہے۔ کہ اس فتنہ کو بھی مٹائے۔ کیونکہ اگر ہمیں اس

چھوٹے فتنہ میں کامیابی

نہ ہوئی۔ تو بڑے فتنوں کے مقابلہ میں ہمیں کس طرح کامیابی حاصل ہوگی۔ پس اس نقطۂ نگاہ کے ماتحت ہمیں ہوشیار ہو جانا چاہیئے۔ کہ اگر ہم اس فتنہ کے مقابلہ میں ہار گئے۔ جو کوئی بڑا فتنہ نہیں۔ تو پھر اس سے بڑے فتنوں کے مقابلہ میں ہمارا کیا بنے گا؟

مجھ سے بہت لوگوں نے وعدے کئے ہیں۔ کہ وہ

اپنی جانیں اور اپنے اموال

سلسلہ کے لئے فدا کرنے کو تیار ہیں۔ اس قربانی کا وعدہ کرنے والی بہت سی جماعتیں ہیں۔ اور بہت سے جماعتوں کے افراد ہیں پھر مردوں کے علاوہ عورتوں نے بھی اپنے آپ کو اس قربانی کے لئے پیش کیا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ اگر سب کو ملا لیا جائے۔ تو

ہزاروں کی تعداد

ہو جاتی ہے۔ اور میں یقیناً دل میں خوشی محسوس کرتا ہوں۔ کہ ہماری جماعت میں اللہ تعالیٰ نے قربانی کی ایسی روح پھونکی ہے۔ کہ وہ دین کے لئے ہر قسم کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور ہر اس آواز پر لبیک کہنے کو آمادہ جو خدا اور اس کے رسول یا اس کے نوابوں کی طرف سے بلند ہو۔ پس یہ

نہایت خوشی کی بات

ہے۔ مگر چونکہ یہ وعدے پیش از وقت ہیں اور چونکہ یہ سکیم میں نے ابھی بیان نہیں کی۔ جس کے بیان کرنے کا ارادہ ہے۔ اس لئے میں پورے طور پر خوش نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے لوگوں نے

قربانی کا صحیح اندازہ

نہ کیا ہو۔ اور جب قربانی کا حقیقی مطالبہ ان کے سامنے رکھا جائے تو ان میں سے بعض عذرات پیش کرنے لگ جائیں:

میرا اپنا اندازہ یہ ہے۔ کہ لوگ بڑی لیکن وقتی قربانیوں کے لئے تو فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر ان سے

مسلسل چھوٹی قربانیوں کا مطالبہ

کیا جائے۔ مثلاً ان سے دس دس منٹ روز کی مسلسل ایک لمبے عرصہ تک قربانی طلب کی جائے۔ تو وہ چند دنوں کے بعد ہی رہ جائیں گے۔ اگر حکم دیا جائے۔ کہ جاؤ اور لڑ کر مر جاؤ۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ سو میں سے ایسے اخلاص رکھنے والے جیسا کہ ہماری جماعت کے افراد ہیں ہے۔ نوے لڑ کر مر جانے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ایک سو سے کہا جائے۔ کہ

پیدل چلتے ہوئے بنگال پہنچ جاؤ

تو سو میں سے پچاس معذرتیں کرنی شروع کر دیں گے۔ کوئی کہیگا میری بیوی بیمار ہے۔ کوئی کہے گا۔ میرے بچے بیمار ہیں۔ کوئی کہے گا۔ میں چل نہیں سکتا۔ یہ

سو میں سے پچاس کا اندازہ

میں نے اپنی جماعت کے متعلق لگایا ہے۔ ورنہ دوسرے مسلمانوں میں سے تو سو میں سے شاید ایک قائم رہے اور ننانوے اپنے عہد سے منحرف ہو جائیں۔ لیکن

جان دینے کی قربانی

کا اگر سوال ہو۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ ایسی حالت میں بھی جبکہ مسلمانوں کا نظام ٹوٹ چکا۔ اور ان کی

اسلامی محبت

مر چکی ہے۔ ان میں سے سو میں سے ایک دو مرد نکل کھڑے ہوں گے۔ لیکن اگر تھوڑی مگر مستقل قربانی کا مطالبہ کیا جائے تو لاکھوں مسلمانوں میں سے ایک بھی نہیں نکلے گا۔ اور میں جب کہتا ہوں۔ کہ لاکھوں مسلمانوں میں سے ایک بھی نہیں نکلیگا۔ تو میں مبالغہ نہیں کرتا۔ بلکہ مسلمانوں کے متعلق اپنا تجربہ بیان کرتا ہوں۔ مسلمانوں کے سامنے کئی سیاسی کام آئے۔ مگر دو چار دن جوش دکھا کر وہ رہ گئے۔ پس عام مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی جماعت کے متعلق مستقل قربانی کے سلسلہ میں۔ جب میں پچاس فیصدی افراد کا اندازہ لگاتا ہوں۔ تو درحقیقت میں اپنی جماعت کی بہت کچھ تعریف کرتا ہوں۔ لیکن ہماری تسلی تو پچاس پر نہیں ہوتی۔ بلکہ سو پر ہوا کرتی ہے۔ اور جب تک ہم سو فی صدی مکمل نہ ہو جائیں اس وقت تک امن نصیب نہیں ہو سکتا۔

میں سمجھتا ہوں۔ اگر میں قربانی کے لئے اپنے نام پیش کرنے والوں میں سے کسی کو بلا کر کہوں۔ کہ تم نے قربانی کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ روزانہ رات کو دو بجے سے صبح ساڑھے پانچ بجے تک کھڑے رہا کرو۔ تو بالکل ممکن ہے۔ وہ اس

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قربانی کے لئے تیار نہ ہو۔ لیکن اگر میں یہ کہوں۔ کہ جاؤ اور کود کر مر جاؤ تو ایک منٹ بلکہ ایک لحظہ کے لئے بھی وہ اس سے انکار نہیں کرے گا۔ یا مثلاً میں کہوں کہ صبح چھ بجے میرے دفتر میں آؤ اور خاموش بیٹھے رہو اور شام کو اپنے گھر واپس چلے جایا کرو۔ تو آٹھویں دن ہی مجھے رقعے آنے شروع ہو جائیں کہ میں بےکار بیٹھا ہوں۔ مجھے کام نہیں۔ کوئی کام بتائیے حالانکہ

حقیقی قربانی

وہی ہوتی ہے جو خواہ قلیل ہو۔ مگر انسان استقلال سے اسے سرانجام دے۔ اور بغیر وجہ پوچھے اسے کرتا چلا جائے۔ اگر قربانی کے وقت اس کی غرض اور مقصد پوچھنے کی بھی ضرورت محسوس ہو تو پھر بیعت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہر عقلمند آدمی اپنے

مفید مطلب کام

کیا ہی کرتا ہے اور ایسا نادان تو کوئی ہوتا ہے جو اپنے لئے مفید کام بھی کرنے کو تیار نہ ہو۔ مثل مشہور ہے کہ کوئی کشمیری جیٹھ ہاڑ کے دنوں میں دھوپ میں بیٹھا تھا۔ ایک شخص پاس سے گزرا تو وہ اسے دیکھ کر کہنے لگا۔ میاں ذرا سائے میں آجاؤ۔ دھوپ میں کیوں جل رہے ہو۔ وہ کشمیری کہنے لگا۔ میں سائے میں تو آجاتا ہوں مگر مجھے کیا دو گے اس نے کہا اگر تمہیں اپنے نفس کے لئے

سائے کی ضرورت

نہیں۔ تو بے شک دھوپ میں مرو۔ مجھے تمہیں انعام دینے کی کیا ضرورت ہے اس قسم کے نادان تو شاذو نادر ہوتے ہیں۔ ورنہ کون ایسا انسان ہے جسے کہا جائے۔ میاں چلو فلاں جگہ روپے دبے پڑے ہیں اور وہ نہ جائے یا کوئی بات اسے مفید نظر آئے اور وہ نہ کرے۔ پس جو باتیں عام طور پر عقل میں آسکتی ہیں ان کے لئے کسی

بیعت کی ضرورت

نہیں۔ بیعت اس لئے ہوتی ہے کہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئے۔ تب بھی اس پر عمل کیا جائے۔ ہاں یہ

ضروری شرط

ہے کہ وہ نص قرآن کے خلاف نہ ہو۔ اس کے علاوہ جو بات بھی خلیفہ وقت کہے بیعت کرنے والے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ خواہ اس کی غرض سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس پر عمل کرے۔ اور خواہ سو سال تک اسے کسی بات کی سمجھ نہیں آتی اس کا حق نہیں۔ کہ وہ انحراف کرے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ

امام کی ہدایت

کے ماتحت کام کرے۔ پس پہلا امر ہر انسان کے سامنے یہ ہونا چاہیئے۔ کہ ہم نے فلاں کی بیعت کرنی ہے یا نہیں اگر بیعت کرلی گئی ہے تو پھر کوئی عذر قبول نہیں کیا جا سکتا ہاں انسان مشورہ دے سکتا ہے مگر مشورہ دینا اور چیز ہے اعتراض کرنا اور چیز اور

عمل میں کوتاہی

کرنا اور چیز ہے پس میں اس سکیم کے پیش کرنے سے پہلے یہ بات واضح کر دینی چاہتا ہوں۔ کہ میری سکیم میں ایسی ہی قربانیوں کا مطالبہ ہے۔ جو گو چھوٹی چھوٹی ہیں مگر لمبی اور

کافی عرصہ لینے والی

ہیں۔ چونکہ ممکن ہے اس سکیم کے سننے کے بعد بعض لوگ کہدیں۔ کہ ہمارے لئے کام کرنا مشکل ہے اس لئے میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس سکیم کے بعد جو لوگ اپنے نام پیش کریں گے۔ وہی حقیقی طور پر قربانی کرنے والے سمجھے جائیں گے۔

سکیم کی اہمیت

ظاہر کرنے کے لئے میں دوسری بات یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہمارے خلاف جو فتنہ ہے یہ صرف مذہبی نہیں۔ نہ صرف سیاسی اور نہ صرف اقتصادی ہے بلکہ یہ مذہبی بھی ہے اقتصادی بھی اور سیاسی فتنہ بھی

سیاسی مخالفت

یہ سیاسی مخالفت ہے اس لئے کہ ہم نے کانگرس کی پچھلے دنوں شدید مخالفت کی۔ یہاں تک کہ کانگرس والوں نے خود تسلیم کیا کہ احمدیہ جماعت کی مخالفت مؤثر ثابت ہوئی ہے۔ ہمارے آدمی چونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ کام کرنا جانتے ہیں پھر ان کے اندر ایک حد تک استقلال بھی پایا جاتا ہے اس لئے کانگرس کے لاکھ والنٹیر جتنا کام کرتے ہیں۔ اتنا کام ہمارا ایک ہزار آدمی کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہمارا تھوڑا روپیہ ان کے بہت سے روپیہ کے مقابلہ میں کام دے جاتا ہے۔ یہ

کانگرس کی ناکامی

اتنی واضح ہے۔ کہ اس کے لیڈر محسوس کرتے ہیں کہ اس کی ناکامی میں بہت حد تک دخل احمدیہ جماعت کا بھی ہے پھر یہ اس لئے بھی سیاسی فتنہ ہے کہ عام طور پر اسلامی مسائل کی وجہ سے

مسلمانوں میں جوش

پیدا کر کے ان کی سیاست کو تباہ کیا جاتا تھا۔ جیسے خلافت کا مسئلہ پیدا کیا گیا۔

ہجرت کا سوال

اٹھایا گیا۔ یا میکلیگن کالج کا جھگڑا پیدا کیا گیا۔ ان پر ایک مذہبی رنگ چڑھایا گیا تھا۔ جسے اتار کر ہم نے رکھ دیا اور بتا دیا کہ یہ مذہبی نہیں بلکہ سیاسی تحریکیں ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں ہر تحریک میں آگے آنا پڑا۔ اور ہر تحریک کے وقت ہم نے اصل حقیقت کو بے نقاب کیا۔ غرض مسلمانوں کا

ہجرت کا پول

ہم نے کھولا۔ خلافت کے متعلق غلط جوش کے دنوں میں ہم نے ان کی صحیح راہنمائی کی۔ میکلیگن کالج کے جھگڑے کے وقت ہم نے صحیح طریق عمل بتایا۔ اور لوگوں پر ظاہر کیا کہ یہ مذہب کے بہانے سے

سیاسیات میں طاقت حاصل کرنیکی کوشش

کی جا رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سیاسی طرز کے مسلمانوں نے سمجھا کہ جب تک یہ جماعت موجود ہے اس وقت تک ہم سیاسی طور پر مسلمانوں کو بے وقوف نہیں بنا سکتے۔ پس وہ بھی ہمارے مخالف ہو گئے۔ تیسری مثال اس کی وہ شور ہے جو پچھلے دنوں

کمیونل ایوارڈ

یعنی فرقہ وارانہ تصفیہ حقوق کے نام سے اٹھا۔ سکھوں اور ہندوؤں نے گورنمنٹ کو نوٹس دیا تھا۔ کہ ہم ایک لاکھ والنٹیرز اس کے خلاف جنگ کرنے کے لئے تیار کریں گے۔ اس پر ہم نے بھی اپنی

جماعت کی تنظیم

شروع کر دی۔ اور گورنمنٹ کے سامنے اپنی خدمات رکھ دیں نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس کو بھی قوموں نے محسوس کیا اور انہوں نے کہا کہ اگر ہم گورنمنٹ کو دھمکی دیتے ہیں۔ تو یہ دھمکی کا اثر بھی قبول ہونے نہیں دیتے۔ آؤ اس جماعت کا ہی متحدہ مقابلہ کریں پچھلے دنوں ایک اخبار والوں کو دھمکی دی گئی۔ کہ اگر مسلمانوں کے حقوق کی تائید سے وہ نہ رکے تو اس کے

دروازوں پر پکٹنگ

کیا جائے گا۔ ہم نے جب یہ سنا تو اپنے نوجوانوں کی خدمات پیش کر دیں اس پر کسی نے پکٹنگ نہ کیا۔ پس لوگوں نے دیکھا کہ جب وہ دھمکیاں دیتے ہیں تو ہم ان کی دھمکیوں کو باطل ثابت کر دیتے ہیں۔

سیاسی لحاظ سے دباؤ

ڈالنا چاہتے ہیں تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مذہب کے نام پر لوگوں کو بہکانا چاہتے ہیں۔ تو اس میں روک بن جاتے ہیں اور ان کا پول کھول دیتے ہیں۔

طاقت اور گھمنڈ سے مرعوب کرنا

چاہتے ہیں۔ تو یہ اپنی خدمات پیش کر دیتے ہیں۔ اس سے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہندوؤں سکھوں اور مسلمانوں میں سے ہر شخص ہماری کوششوں پر بُرا مناتا۔ اور ہماری مخالفت کرنا اپنے مقاصد کے لئے مفید سمجھتا ہے۔ سیاسی مخالفت کے اسباب میں سے ایک ہمارا اس وقت

شمشیر کے جہاد کی مخالفت

کرنا بھی ہے۔ مولوی اس مسئلہ کی مدد سے عوام کو خوب بھڑکا سکتے تھے۔ ہم نے اس حربہ کو بھی چھین لیا ہے۔ پس ہماری جماعت کی مخالفت نہایت وسیع پیمانہ پر ہے۔ اور سیاستدان یہ سمجھتے ہیں۔ کہ جب تک احمدیوں کو کمزور نہ کر دیا جائے۔ یا

احمدیوں اور حکومت میں لڑائی

نہ کرا دی جائے۔ اس وقت تک ان کا قدم مضبوطی سے جم نہیں سکتا۔ یہ صرف خیالی بات نہیں۔ بلکہ خود مجھ سے

آل انڈیا کانگرس کمیٹی

کے ایک ذمہ دار آدمی نے کہا۔ کہ

پنڈت جواہر لال نہرو

جب یورپ کی سیاحت سے واپس تشریف لائے۔ تو سٹیشن پر ہی دوران گفتگو میں انہوں نے مجھ سے کہا۔ کہ مجھے دوران سیاحت میں محسوس کرایا گیا ہے۔ کہ اگر ہم ہندوستان میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں سب سے پہلے احمدیہ جماعت کو کچل دینا چاہیئے اس غرض کے لئے انہوں نے کئی کوششیں بھی کیں۔ مگر خدا کے فضل سے کامیاب نہ ہوئے۔ اب کانگرس والوں کی ایک طرف تو یہ کوشش ہے۔ کہ ہمیں مسلمانوں سے لڑا کر کمزور کر دیا جائے۔ اور دوسری طرف یہ کوشش ہے۔ کہ ہماری انگریزوں سے لڑائی ہو جائے۔ ممکن ہے انگریز افسروں میں سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے۔ مگر ہماری اطاعت چونکہ اصول مذہبی کی بنا پر ہے۔ اس لئے ہم حکومت کی اطاعت سے کبھی انحراف نہیں کر سکتے گو اگر حکومت نے

ہماری ہتک کا ازالہ

نہ کیا۔ تو پھر ہمارا تعلق اس سے محض قانونی اطاعت والا رہ جائے گا۔

محبت والا تعلق

باقی نہ رہے گا۔ اور ہم ہر موقعہ پر اس سے سودا کیا کریں گے۔ پس گورنمنٹ ہمیں تاجر بنا دے گی۔ مگر ہم اطاعت پھر بھی کرتے رہیں گے سیاسی مخالفت کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے۔ کہ ہم پین اسلامزم کے مخالف ہیں۔ حالانکہ میں جب یورپ گیا۔ تو راستہ میں عربی ممالک میں اتحاد امم اسلامیہ کی سکیم میں نے بنائی۔ جسے بعد میں شیخ یعقوب علی صاحب نے دوسرے سفر کے موقعہ پر اور پھیلایا اور پھر ان کے لڑکے شیخ محمود احمد صاحب نے بلاد اسلامیہ کے سفر میں لوگوں میں اس کی اشاعت کی۔ جس کے نتیجہ میں

معتمر اسلامی کا اجلاس

ہوا۔ پس عالم اسلامی کے اتحاد کا میں بڑے زور سے قائل ہوں مگر اس اتحاد کا میں قائل نہیں۔ جو لڑائیوں اور فتنہ و فساد کے لئے ہو۔ ہم اخلاق کو درست کر کے اتحاد رکھنے کے قائل ہیں۔ اس امر کے قائل نہیں کہ انگریزوں یا کسی دوسری قوم سے خواہ مخواہ لڑا جائے۔ غرض ان وجوہ سے سیاسی لوگ ہمارے مخالف ہیں۔ اور چونکہ کچھ لوگ حکومت میں بھی کانگرسی خیال کے داخل ہیں۔ وہ بھی ان وجوہ سے دل میں ہمارے مخالف ہیں۔ اور ایسے لوگ

اعلےٰ سے اعلیٰ عہدوں پر

ملتے ہیں۔ چنانچہ عدم تعاون کی تحریک کے دنوں میں کئی ہندوستانی افسروں نے کانگرس کو مخفی امداد دی۔ اور جو لوگ کانگرس کی مخالفت کرتے تھے۔ انہیں دھمکایا۔ اور ڈرایا۔ کہ تم

پالٹیکس میں دخل

دیتے ہو۔ چنانچہ مجھے جب بعض واقعات معلوم ہوئے۔ تو اس وقت میں نے

لارڈ اروِن

کو لکھا کہ آپ کے بعض افسر اس قسم کے ہیں۔ جو کانگرس کی تحریکات کا مقابلہ کرنے سے بھی اپنے آدمیوں کو روکتے اور اسے پالٹیکس میں دخل قرار دیتے ہیں۔ جس کا صاف یہ مطلب ہے۔ کہ وہ کانگرس کے مؤید ہیں۔ اس پر حکومت نے یہ اعلان کیا۔ کہ

گورنمنٹ کی تائید

میں حصہ لینا منع نہیں۔ گورنمنٹ کے خلاف حصہ لینا منع ہے۔ مجھے کئی ایسے افسروں کا علم ہے۔ جنہوں نے کانگرس کے خلاف کام کرنے والے افسروں پر خوب ظلم کئے۔ اور انہیں

نقصان پہنچانے کی کوشش

کی۔ یہ کانگرس سے ہمدردی رکھنے والے افسر ہمیشہ کانگرس کو حکومت کی خبریں پہنچاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ بائیکاٹ کے زمانہ میں ریلوے کے کئی ایسے افسر جب بھی انگریزی مال آتا تھا۔ کانگرس والوں کو اطلاع دے دیتے تھے۔ اسی طرح پولیس میں ایسے افسر تھے۔ جو کانگرسیوں کی گرفتاری کی خبر وارنٹ پہنچنے سے قبل انہیں پہنچا دیتے۔ چنانچہ کئی دفعہ ایسا ہوا۔ کہ جب پولیس کے سپاہی وارنٹ لے کر پہنچے۔ تو کانگرسی ایسے شخص کو ہار پہنا کر پہلے سے پولیس کے منتظر ہوتے تھے۔ اس قسم کے لوگ سیاسی اختلاف کی وجہ چاہتے ہیں کہ

گورنمنٹ اور جماعت احمدیہ میں لڑائی

ہو جائے۔ اور وہ حکومت میں ہو کر حکومت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں ان لوگوں نے وہی چال چلی ہے۔ جو کہتے ہیں ایک باغ والے نے

تین شخصوں کے خلاف

چلی تھی جو اسکے باغ کا میوہ کھا گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ کسی باغ میں سید۔ مولوی اور زمیندار تینوں اکٹھے چلے گئے۔ اور اس کے میوے توڑ توڑ کر کھانے لگے۔ باغ کا مالک جب آیا۔ تو اس نے دیکھا۔ کہ تین آدمی ہیں اور وہ اکیلا ہے۔ اس نے سوچا کہ اسطرح مقابلہ تو مشکل ہے۔ پھر کچھ سوچکر وہ سید اور مولوی کو الگ لے گیا۔ اور سید سے کہنے لگا۔ کہ آپ تو آل رسول ہیں۔ یہ سب باغ آپ کے نانا کا مال ہے۔ جہاں سے جی چاہے کھائیں۔ اور مولوی سے کہا۔ کہ آپ بھی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گدی نشین

ہیں۔ آپ کے فعل پر بھی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس زمیندار کا کیا حق تھا۔ کہ میرے باغ میں آتا۔ اور میوے توڑ توڑ کر کھاتا۔ چونکہ ان دونوں کی تعریف ہو گئی تھی۔ وہ کہنے لگے بات تو ٹھیک ہے۔ مالک کہنے لگا۔ تو پھر انصاف قائم کرنے میں آپ میری مدد کریں۔ چنانچہ تینوں نے ملکر زمیندار کو پکڑا۔ اور اسے خوب مارا پھر اسے ایک درخت سے باندھ دیا۔ اس کے بعد مالک سید کو الگ لے جا کر کہنے لگا یہ مولوی بھی کچھ کم مجرم نہیں۔ کیونکہ یہ

امسئلے کرنے والا نوکر

ہے۔ آل رسول کا ہی حق ہے۔ کہ میوے کھائے۔ خادموں کا بھلا کیا اختیار ہے۔ کہ وہ آل رسول کے ہمرتبہ بنیں۔ سید کے لئے اس سے زیادہ فخر کی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔ کہ اسے مولوی پر ترجیح دیدی گئی۔ اسنے کہا بات تو تم نے ٹھیک کہی۔ مالک کہنے لگا۔ تو پھر انصاف قائم کرنے میں میری مدد کرو چنانچہ مولوی کو بھی دونوں نے ملکر خوب مارا۔ اور ایک درخت سے باندھدیا اب صرف اکیلا سیّد رہ گیا تھا۔ مالک نے جھٹ اسکی گردن پکڑلی اور کہا خبیث دُوسروں کا مال کھانے والا بھی کبھی

آلِ رسُول

ہُوا کرتا ہے۔ چنانچہ اسے بھی خوب مارا۔ اور درخت سے باندھ دیا۔ ہم نے کسی دوسرے کا مال تو نہیں کھایا۔ بلکہ ہر اک کو اس کا حق دلاتے ہیں۔ لیکن بہرحال لوگ ہم سے یہی بدگمانی رکھتے ہیں۔ کہ گویا ہم انگریزوں سے مل کر ان کے

حقوق کا نقصان

کر رہے ہیں۔ اور اس غصہ میں وُہ ہمارے خلاف چالیں چلتے ہیں۔ اور اب انہوں نے یہ تدبیر سوچی ہے۔ کہ گورنمنٹ میں اور ہم میں اختلاف ڈلوا کر دونوں کو الگ الگ نقصان پہنچائیں۔ گورنمنٹ کی بنیاد چونکہ مذہب پر نہیں اس لیے ممکن ہے۔ وُہ ان کے قابو آ جائے۔ مگر ہم انشاء اللہ ان کے قابو میں نہیں آ سکتے۔

مذہبی مخالفت

علاوہ سیاسی مخالفت کے موجودہ فتنہ کے تحت میں مذہبی مخالفت بھی کام کر رہی ہے۔ علماء میدان دلائل میں شکست کھا چکے ہیں۔ وفات مسیح کے مسئلہ کو پیش کیا جائے۔ تو جھٹ کہہ دیتے ہیں۔ اسلام کا اس سے کیا تعلق کہ مسیح ناصری زندہ ہیں یا مر چکے۔ حالانکہ اگر اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو یہ لوگ اسی وجہ سے ہم پر کفر کے فتوے کیوں لگاتے رہے ہیں۔ اسی طرح نبوت کا مسئلہ ہے۔ سوائے شور مچانے کے اور کوئی بات نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کے پہلے بزرگ خود لکھ چکے ہیں۔ کہ امتِ محمدیّہ میں

373
Digitized by Khilafat Library Rabwah

غیر تشریعی نبوت کا سلسلہ

جاری ہے۔ اب وہ رد کس طرح کریں۔ گالیاں دیں تو اپنے بزرگوں پر بھی پڑتی ہیں۔ غرض میدان دلائل میں علماء ہمارے سامنے مات کھا چکے ہیں اور اب تو میں نے کثرت سے تعلیم یافتہ لوگوں کے مونہوں سے سنا ہے کہ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ صرف یہ بتائیے کہ حضرت مرزا صاحب کس طرح نبی بن گئے

سمجھدار اور دیانتدار نومسلم

تو اس بات کو کبھی برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ کہ نبوت کا دروازہ بند مانا جائے۔ میں جب ولایت گیا تو ایک نہایت ہی مخلص نو مسلم

مسٹر شیلے

جو بہت بوڑھے تھے۔ اور اب فوت ہو چکے ہیں۔ مجھ سے ملنے کے لئے آئے وہ مزدوری کیا کرتے تھے۔ اور ان کی عادت تھی کہ جب بھی مسجد میں آتے۔ چونکہ چائے وغیرہ پلائی جاتی تھی۔ اس لئے چھ آنے یا نو آنے کے قریب ہمیشہ چندہ دے جاتے۔ تا یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ مفت میں چائے پی رہے ہیں۔ نہایت ہی مخلص اور

اسلام سے محبت رکھنے والے

تھے۔ مجھ سے جب ملنے کے لئے آئے۔ تو باتیں کرتے وقت محبت کے جذبہ سے سرشار ہو کر مجھ سے کہنے لگے۔ آپ مجھے یہ بتائیں کیا مرزا صاحب نبی تھے۔ میں نے کہا ہاں نبی تھے۔ اس پر ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور کہنے لگے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ پھر کہنے لگے آپ مجھے بتائیں کیا آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے لئے نبوت کا دروازہ کھلا ہے۔ گو یہ علیحدہ بات ہے کہ

اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب

کسی خاص شخص پر پڑے اور دوسروں پر نہ پڑے۔ میں نے کہا یقیناً خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لئے باب نبوت کو کھلا رکھا ہے اس پر ان کا چہرہ پھر دمک اٹھا اور کہنے لگے مجھے بڑی خوشی ہوئی پھر باوجود اس کے کہ انہیں معلوم تھا کہ میں

جماعت احمدیہ کا خلیفہ

اور حضرت مسیح موعود کا بیٹا ہوں۔ مجھے کہنے لگے آپ نے حضرت مرزا صاحب کو دیکھا ہے۔ میں نے کہا ہاں دیکھا ہے۔ اس پر پھر ان کا چہرہ روشن ہو گیا اور کہنے لگے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ آپ اپنا ہاتھ پکڑا دیجئے۔ پھر انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور یہ کہتے ہوئے کہا کہ آج میں نے ایک نبی کے دیکھنے والے سے مصافحہ کیا ہے۔ غرض سمجھدار اور بے غرض یوروپین نو مسلم یہ عقیدہ کبھی برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ کہ کوئی ایسا نبی آئے۔ جو

تمام ترقیات کے دروازے

بنی نوع انسان کے لئے بند کر دے۔ ان میں سے ہر معقول پسند انسان کہیگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چاہو بڑے سے بڑا درجہ دے لو مگر دروازہ نہ کھولو جس کے نتیجہ میں دنیا کی ترقیات رک جائیں علماء کے سامنے جب یہ باتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ پھر لوگ انہیں کہتے رہتے ہیں۔ تم کرتے کیا ہو۔ احمدیوں میں سے تو کوئی افریقہ جا کر لوگوں کو مسلمان بنا رہا ہے اور کوئی امریکہ۔ کوئی انگلستان جا رہا ہے اور کوئی ماریشس اور دمشق وغیرہ مگر تم بجز اس کے کہ گھر بیٹھے روٹیاں توڑتے رہتے ہو اور لوگوں پر کفر کے فتوے لگاتے ہو۔ اور کیا کرتے ہو۔ یہ باتیں جب ان کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو وہ ان کا کوئی جواب نہیں دے سکتے پس ہمارے وجود سے

مولویوں کی زندگی تلخ ہو گئی ہے

اور وہ دل میں کہتے ہیں کہ ہم تو احمدیوں کو چھوڑ دیں۔ یہ ہمیں نہیں چھوڑتے ہم کیا کریں۔ جیسے کسی نے کہا تھا میں تو کمبل کو چھوڑتا ہوں پر کمبل مجھے نہیں چھوڑتا۔ غرض علماء پر ایک عجیب مصیبت نازل ہے۔ ہم ان سے لڑیں یا نہ لڑیں لوگ جب سنتے ہیں کہ فلاں ملک میں احمدیوں کے ذریعہ اتنے مسلمان ہو گئے۔ افریقہ میں اتنے اور امریکہ میں اتنے لوگ داخل اسلام ہوئے تو وہ مولویوں سے پوچھتے ہیں کہ تم سوائے کافر بنانے کے اور کیا کام کرتے ہو مولوی۔ جب یہ باتیں سنتے ہیں تو بجز اس کے انہیں کچھ نہیں سوجھتا کہ وہ کہتے ہیں۔ ہم لٹھ تیار کر لیں کہیں احمدی نظر آیا تو اس کا سر پھوڑ دینگے پھر نہ یہ کمبخت دنیا میں رہینگے اور نہ لوگ ہمیں ستایا کرینگے۔ ہر مولوی چونکہ اپنے ساتھ چیلے بھی رکھتا ہے اور ان چیلوں کا آگے حلقہ احباب ہوتا ہے اس طرح یہ مخالفت پھیل جاتی ہے۔ دوسری طرف آریوں نے بھی محسوس کر لیا ہے کہ ہماری جماعت کی وجہ سے ان کی ترقی رک رہی ہے جب

ملکانہ میں ارتداد

شروع ہوا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں یعنی قریباً دو مہینہ کے اندر اندر انہوں نے بیس ہزار آدمی مسلمانوں میں سے مرتد کر لئے تو اس وقت لاہور میں ڈھنڈورا پیٹا گیا۔ نہ کہا کوئی مسلمان ملکانوں کی خبر گیری کرنیوالا نہیں پھر اشتہار شائع کئے گئے۔ جن میں لکھا گیا کہ احمدی لوگ کہا کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے محافظ ہیں۔ بتائیں کہ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ وہ بیدار ہوں اور اسلام کی حفاظت کریں۔ اس پر میں نے اپنی جماعت میں اعلان کیا۔ تو خدا تعالیٰ کے فضل سے تین سو آدمیوں نے اپنی جانیں پیش کر دیں۔ اور ایک ایک وقت میں سو سو مبلغ ہمارا ملکانہ میں کام کر رہا۔ ایک لاکھ کے قریب ہمارا روپیہ خرچ ہوا۔ اور خدا تعالیٰ کے فضل سے نتیجہ یہ نکلا کہ آریوں کو ہر میدان میں شکست دیدی۔ اور یہ جو ان کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں میں ایک عام رو ارتداد کی چلا دینگے۔ غلط ثابت ہوا۔ گاندھی جی جو اس وقت جیل میں تھے۔ جب یہ حالت معلوم ہوئی تو انہوں نے اس پر اظہار ناراضگی کرنا شروع کیا اور سیاسی لیڈروں نے کہنا شروع کیا کہ آپس میں صلح کر لو اور اپنے اپنے مبلغ واپس منگا لو۔ سوامی شردھانند جی اس وقت زندہ تھے انہوں نے پر زور آواز اٹھائی کہ ہمیں گاندھی جی کی بات مان لینی چاہئیے اور آپس میں صلح کر لینی چاہئیے چنانچہ

دہلی میں ایک میٹنگ

ہوئی۔ ہمارے بعض دوستوں نے کہا کہ اس میٹنگ میں ہمیں نہیں بلایا گیا۔ میں نے کہا آپ لوگ تسلی رکھیں وہ ہمیں بلانے پر مجبور ہونگے کیونکہ ہمارے بغیر یہ صلح ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ دوسرے ہی دن ڈاکٹر انصاری۔ مولانا محمد علی صاحب اور حکیم اجمل خانصاحب کی طرف سے میرے نام تار آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ آپ اپنے نمائندوں کو یہاں بھیجئے۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا۔ دیکھو وہ ہمارے بلانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ میں تو پہلے ہی جانتا تھا کہ وہ ہمارے بغیر صلح کر ہی نہیں سکتے۔ خیر جب میں اپنی طرف سے نمائندے بھیجے۔ تو میں نے انہیں کہدیا کہ وہاں یہی امر پیش کیا جائیگا کہ گاندھی جی چونکہ سخت اذیت پا رہے ہیں اس لئے کام سب بند کر دینا چاہئیے اور اپنے اپنے مبلغ واپس منگوا لینے چاہئیں۔ آریہ اپنے گھروں میں چلے جائیں اور مسلمان اپنے گھروں میں۔ مگر آپ اس کے جواب میں یہ کہیں کہ آپ لوگ بیس ہزار مسلمان آریہ بنا چکے ہیں ان بیس ہزار کو آپ کلمہ پڑھا کر مسلمان کر دیں تو ہم اپنے گھروں میں آجائینگے اور آپ اپنے گھروں میں آجائیں ورنہ جب تک

بیس ہزار اشخاص

اسلام میں واپس نہیں آتے اس وقت تک ہماری تبلیغ جاری رہیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا جب ہمارے نمائندے گئے تو انہوں نے یہی امر پیش کیا کہ آپ بیس ہزار مسلمان آریہ کر چکے ہیں۔ جب تک آپ انہیں واپس نہیں کرتے ہم تبلیغ سے کس طرح رک سکتے ہیں اور اگر صلح کر لیں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ ہم گھاٹے میں رہے۔ آریہ بھلا اس بات کو کب تسلیم کر سکتے تھے کہ ہم بیس ہزار لوگوں کو کلمہ پڑھا کر اسلام میں واپس کر لیں۔ وہ نہایت مایوس ہوئے اور سوامی شردھانند جی نے کہا کہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ گاندھی جی ناراض ہوں اور تکلیف اٹھائیں ہمارے نمائندوں نے کہا بات بالکل صاف ہے اگر اس پر بھی کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں عجیب بات یہ ہوئی کہ ہماری یہ بات بعض مسلمان سیاسی نمائندوں کی سمجھ میں آ گئی اور وہ بھی کہنے لگے کہ برابری تو تبھی ہوتی ہے جب بیس ہزار لوگ اسلام میں واپس ہوں

"جمعیۃ العلماء" کا نمائندہ

بھی وہاں موجود تھا اس نے بڑے جوش سے سوامی شردھانند جی کو کہا کہ احمدیوں کی ہستی ہی کیا ہے انہیں چھوڑیئے اور ہم سے معاہدہ کیجئے میں سات کروڑ مسلمانوں کی طرف سے آپ سے معاہدہ کرونگا کہ وہاں کوئی مسلمان تبلیغ نہیں کریگا۔ سوامی جی حقیقت سے خوب واقف تھے وہ کہنے لگے مولانا آپ کے دہاں پچاس مبلغ ہوں تو حرج نہیں لیکن اگر ایک احمدی مبلغ بھی وہاں موجود رہے تو اس کا رہنا خطرناک ہے یہ باتیں ہیں جنکی وجہ سے آریہ غصے سے بھرے ہوئے ہیں اور

عیسائی الگ مخالف ہیں

اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مشنوں کو جس قدر نقصان پہنچ رہا ہے سب احمدیوں کی وجہ

سے بڑی ہے۔ اچھوتوں میں ہم جو تبلیغ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے بھی انہیں دشمنی ہے۔ چنانچہ اس وقت تک سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں اچھوت ہماری جماعت میں شامل ہو چکے ہیں۔ اسکا بھی انہیں غصہ ہے پھر یہ کوششیں صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ بیرون ہند میں بھی ہماری طرف سے جاری ہیں۔ گذشتہ دنوں چرچ آف انگلینڈ کی طرف سے ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی جس میں سات مختلف مقامات پر افریقہ کے ذکر میں بیان کیا گیا ہے کہ احمدیوں نے عیسائیت کی ترقی کو نقصان پہنچایا ہے غرض ان حالات کی وجہ سے مسلمان، عیسائی اور آریہ تینوں قومیں متحد ہو کر ہمیں مٹانا چاہتی ہیں۔

اقتصادی مخالفت

پھر ہماری جماعت کی موجودہ مخالفت میں اقتصادی تغیرات کا بھی دخل ہے۔ کیونکہ مالدار طبقہ ہمیشہ غرباء کو لوٹنا چاہتا ہے۔ اور ہماری جماعت اس تحریک کے مخالف ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ امراء ہماری جماعت کی مخالفت کرتے ہیں۔ دو تین مہینے ہوئے کہ ایک انگریز پولیٹیکل ایجنٹ نے ہماری جماعت کے ایک افسر کو کہا۔ کہ فلاں ریاست میں آپ لوگوں کی طرف سے تبلیغ ہو رہی ہے۔ مجھ سے وہاں کے رئیس نے شکایت کی۔ کہ ان کی

تبلیغ سے خطرات

ہیں۔ ہمیں اس کے روکنے کی اجازت دی جائے۔ تو میں نے لکھا کہ اگر احمدی اچھوتوں میں تبلیغ کریں۔ تو انہیں روکو۔ اگر مسلمانوں میں تبلیغ کریں۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور انکی وجہ یہ بیان کی۔ کہ اچھوتوں میں تبلیغ کرنے سے زمیندار ناراض ہوتے ہیں۔ کہ ہمارے کاموں کو نقصان پہنچتا ہے۔ غرض اچھوت قوموں کی ترقی اور ادھار جو ہمارے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ وہ نہ آریوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ عیسائیوں کے ذریعہ۔ مسلمان ہی وہ قوم ہے جس میں اچھوت جذب ہو کر ایک ہو سکتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ جب کوئی اچھوتوں میں سے نیا نیا نکل کر آتا ہے تو اس سے تعلقات رکھنے پسند نہیں کئے جاتے۔ مگر آہستہ آہستہ خود ہی مسلمانوں میں جذب ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی کھیت میں جائے۔ اور تازہ پاخانہ پڑا ہوا دیکھے۔ تو وہ چار دن تک گند دکھائی دیگا اچھا نہیں جاتا۔ مگر وہ چار دن کے بعد خود بخود کھاد بننے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح اچھوت دو چار نسلوں میں ہی مسلمانوں میں اس طرح مل جاتے ہیں۔ کہ ان کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ بہرحال اچھوتوں میں تبلیغ کرنے کی وجہ سے مالدار طبقہ کو ہم پر غصہ آتا ہے۔ پھر غرباء کی جب ہم ناجائز مدد نہیں کرتے۔ تو انہیں بھی ہم پر غصہ آتا ہے۔ وہ جب سٹرائکیں کرتے۔ کارخانوں کو آگ لگاتے اور

بائیکاٹ کی تحریکات

جاری کرتے ہیں۔ تو ہم انکی بھی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اسطرح مزدور طبقہ سمجھتا ہے۔ کہ ہم ان کے دشمن ہیں۔ حالانکہ ہم غرباء کو انکے حقوق دلاتے اور امراء کو دست درازیوں اور تعدیوں سے مجتنب رہنے کی تعلیم دیتے ہیں ہم یہ نہیں چاہتے۔ کہ امراء

غرباء کی تذلیل

کریں۔ مگر ہم یہ بھی نہیں چاہتے۔ کہ غرباء امراء کو قتل کریں۔ اور ان پر ناجائز حملے کریں۔ دونوں ہم سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ پس اقتصادی اصول پر بھی ہماری مخالفت شروع ہو گئی ہے۔

ان تینوں وجوہات کی بناء پر مذہبی، سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے ہماری مخالفت کی جاتی ہے۔ ہم ہر ایک کے دوست اور خیر خواہ ہیں۔ مگر چونکہ دوسرے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اس حد تک ان کے دوست نہیں جس حد تک وہ چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ ہماری دشمنی کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ آج تمام لوگ ہماری مخالفت کر رہے ہیں۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا لوگ کیوں زیادہ مخالفت کرتے ہیں۔ ہماری جماعت تو ابتداء سے انہی اصول کی قائل ہے۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ ہماری اور انکی مثال بلی اور چوہے کی سی ہے۔ بلی جب چوہے کو پکڑتی ہے۔ تو اسے اچھی طرح بھنبھوڑتی ہے۔ جب اسکی جان نکلنے کے قریب ہوتی ہے۔ تو وہ اسے چھوڑ دیتی۔ اور خود ایک طرف بیٹھ جاتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب چوہا سانس لینا شروع کرتا اور اسے کچھ طاقت محسوس ہوتی ہے۔ تو وہ بلی کو دیکھا کرتا ہے۔ کہ کہیں یہ غافل ہو۔ تو میں بھاگوں۔ بلی بظاہر اس سے غافل ہوتی ہے۔ مگر انکھیوں سے اسے دیکھتی جاتی ہے جب چوہا موقع پا کر دوڑنے لگتا ہے تو جھٹ بلی چھلانگ لگا کر اس کی گردن مروڑ لیتی ہے۔ یہی حال ہمارا اور انکا تھا شروع شروع میں گو ہماری تعلیم یہی تھی۔ اور ہم انہی عقائد کو پیش کرتے تھے مگر چرچے تو بعد کو ہوا کرتے تھے۔ کہ ان کے ساتھ

بحث کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے

بھلا کیا بلی اور کیا بلی کا شوربا، ہم جب چاہیں گے انہیں مسل ڈالیں گے مولوی لوگ سمجھتے۔ کہ ان کے کفر کے فتوے ہماری جماعت کو مٹا دینگے سیاستدانوں کے سامنے جب ہماری جماعت کا ذکر آتا۔ تو وہ کہتے۔ یہ

چھوٹی سی جماعت

ہے۔ اس نے کیا کر لینا ہے۔ آپس میں اتحاد رکھنا چاہئے۔ اقتصادی لوگوں کے سامنے ابھی ہماری تعلیمیں آئی ہی نہ تھیں۔ غرض ہماری جماعت کو چوہے کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ

وہ جسے چوہا سمجھتے تھے شیر ہے

اور جسے ناقابل التفات سمجھتے تھے۔ وہ جماعت دنیا کو کھانے لگ گئی ہے۔ وہ بڑے بڑے باوقار لوگ جو اپنی کرسیوں پر اس خیال میں آرام سے بیٹھے تھے۔ کہ ہم جب چاہیں گے احمدیوں کو مسل کر رکھ دینگے۔ وہ بھی ہمارے نظام اور جماعت کی ترقی کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اور انہوں نے سمجھ لیا۔ کہ یہ جماعت شیر ہے جو ایک دن دنیا پر غالب آ کر رہے گی پس لوگ ہمارے دشمن ہیں۔ مگر ہم کسی کے دشمن نہیں۔ ہم مسلمانوں کے بھی خیر خواہ ہیں اور ہندوؤں کے بھی۔ بلکہ ہندوؤں کے بزرگوں کو سچا سمجھتے

مسلمانوں کی نگاہ میں کافر

بنتے ہیں۔ سکھوں کے بھی خیر خواہ ہیں۔ کیونکہ حضرت باوا نانک صاحب کو خدا کا ولی اور نہایت نیک انسان سمجھتے ہیں۔ حکومت کے بھی خیر خواہ ہیں کیونکہ انارکسٹوں کا مقابلہ کرتے اور قانون کی پابندی ضروری سمجھتے ہیں۔ کانگرس کے بھی خیر خواہ ہیں۔ کیونکہ ہم ملک کی جائز حد تک آزادی کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ امراء کے بھی خیر خواہ ہیں۔ کیونکہ ہم نہیں چاہتے۔ کہ سٹرائکیں ہوں اور لوگ انہیں قتل کریں۔ غریبوں اور مزدوروں کے بھی خیر خواہ ہیں کیونکہ ہم کوشش کرتے ہیں۔ کہ جو ان پر ظلم ہوتے ہوں۔ ان کا ازالہ کیا جائے اور ان کے حقوق انہیں دلائے جائیں۔ غرض ہم

سب کے خیر خواہ

ہیں۔ اور ہمارا قصور اگر ہے۔ تو یہ کہ ہم اتنے خیر خواہ نہیں جتنی خیر خواہی ناجائز ہوتی ہے۔ اور اسی بناء پر سب لوگ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں اور اب ہماری ترقی کو دیکھ کر سب جماعتیں پریشان ہو گئی ہیں۔ اور

ہمارے تباہ کرنے کے لئے متفق

ہو گئی ہیں۔ یا یہ موجودہ فتنہ کی اصل وجہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ

ہماری آزمائش

کرنا چاہتا ہے۔ ہم جو روزانہ اس کے سامنے فخر سے کہتے ہیں۔ کہ اے اللہ ہم تجھ پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لائے۔ اور اس کے لئے ہم ہر قسم کی قربانیاں کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے مطابق اب خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ ہم کس حد تک قربانیاں کرتے ہیں اور ہمارے دلوں میں کتنا ایمان ہے پس ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس امتحان میں کامیاب ہونے کی کوشش کرے۔ اگر ہماری جماعت اس میں کامیابی کیلئے کوشش نہیں کریگی تو یقیناً وہ خدا کے سامنے جوابدہ ہو گی اور اگر وہ اس میں کامیاب ہو گی تو پھر خدا تعالیٰ اسکے سامنے اور امتحان لائے گا جس میں اسے کامیاب ہونا پڑے گا کیونکہ خدا تعالیٰ کی یہ سنت ہے۔ کہ جب کوئی قوم ایک امتحان میں کامیاب ہو جائے۔ تو دوسرا امتحان اس کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے بڑی ڈگریاں حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ پہلے چھوٹے امتحان پاس کرنے پڑتے ہیں۔ یہ

پرائمری کا امتحان

ہے۔ جو تم نے پاس کرنا ہے۔ اگر اس میں کامیاب ہو گئے۔ تو پھر مڈل اور انٹرنس اور ایف اے اور بی اے وغیرہ کا امتحان دینا ہو گا پس اگر تم ایم اے بننا چاہتے ہو تو نیچے کے امتحان پاس کرو۔ اور اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو قربان کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ اور جو ادرشت ہمیں پیش آئے کہو کہ

ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

اور یاد رکھو کہ ان امتحانوں کا پاس کرنا ذلت نہیں۔ بلکہ ان میں سے نکلنے کے بعد ہر شخص کندن بنتا چلا جاتا ہے۔

سکیم کی اہمیت بتانے پر ہی میں آج کے خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔ اور سکیم کا حصہ اگلے جمعہ پر ملتوی کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے جو نوٹ لکھے ہیں۔ ان میں میں ابھی کوئی ترتیب قائم نہیں کر سکا۔ اس سکیم کے بیان کرنے میں جتنی دیر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس سے ان لوگوں کے استقلال کا امتحان ہوتا جاتا ہے جنہوں نے قربانی کے لئے اپنا نام پیش کیا۔ ان پولیس والوں کے صبر کا بھی امتحان ہو رہا ہے۔ جو میرا خطبہ لکھنے کے لئے آجاتے ہیں۔ گورنمنٹ کے صبر کا امتحان بھی ہو رہا ہے کیونکہ وہ منتظر ہے۔ کہ میں کیا کہتا ہوں۔ پس اس وقت سب کے صبر کا امتحان ہو رہا ہے۔ بقیہ باتیں میں انشاءاللہ اگلے خطبہ جمعہ میں بیان کروں گا۔ مگر مضمون کا یہ حصہ چونکہ عورتوں سے خصوصیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ اس دن عورتیں کثرت سے آئیں مسجد کے پاس کے فرش کے حصے بھی ان کے لئے خالی کر دیئے جائیں۔ اور گو ان کی چھتیں کمزور ہیں۔ اگرچہ دفتر کی چھتیں کمزور نہیں ہونی چاہئیں اگر پھر بھی سو ڈیڑھ سو عورتیں اوپر بیٹھ سکتی ہیں۔ بہرحال عورتوں کا آنا ضروری ہے۔ کیونکہ سکیم کا ابتدائی حصہ خصوصیت سے عورتوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور اگر وہ شامل نہ ہوں۔ تو مضمون کا بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اگلے جمعہ بھی دوستوں کو زیادہ سے زیادہ پہنچ جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ تاکہ خطبہ سے سارے

عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپا۔ اور قادیان سے ہی شائع کیا۔ (ایڈیٹر غلام نبی)

Digitized by Khilafat Library Rabwah